جماعت احمدیہ اور اسرائیل نمبر

مارچ - اپریل ۱۹۷۶ء

سالانہ اشتراک

پاکستان — دس روپے
بیرونی ممالک ہوائی ڈاک — اسی روپے
بیرونی ممالک بحری ڈاک — چالیس روپے
قیمت پرچہ ھذا — دو روپے

مدیر مسئول
ابوالعطاء جالندھری

مدیر الاعتصام کے نام مکتوب مفتوح

جناب ایڈیٹر صاحب ہفت روزہ الاعتصام لاہور! آپ نے اپنے اخبار کی ۱۹ مارچ ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ :-

"مرزا ناصر احمد صدر غیر مسلم اقلیت انجمن احمدیہ (مرزائیہ) کی **سلور جوبلی** منانے پر ساٹھ کروڑ روپے خرچ کئے جائینگے - یہ رقم غیر ممالک سے مختلف ذرائع سے اکٹھی کی جائیگی - انجمن کا صدر دفتر بھی انگلستان منتقل کیا جا رہا ہے - یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے مسجد تعمیر کرنے کے بعد ربوہ میں بستی بنانے کا جو پروگرام بنایا ہے اس کے پیش نظر جماعت احمدیہ (مرزائیہ) حکومت پنجاب کے ساتھ ریزرو پولیس کی ایک مخصوص جمعیت کو بطور محافظ ربوے میں تعینات کرنے کے مسئلے پر خط و کتابت کر رہی ہے اس کا خرچ جماعت احمدیہ خود ادا کریگی"

(الاعتصام لاہور ۱۹ مارچ ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۷)

فاضل مدیر بتائیں کہ انہوں نے یہ **مجموعہ اکاذیب** از خود ایجاد کر کے کس غرض سے شائع کیا ہے؟ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی سلور جوبلی منانے کا اس وقت کوئی سوال جماعت کے سامنے نہیں ہے - نہ ہی اس سلور جوبلی کے منانے پر ساٹھ کروڑ روپے خرچ کرنے کی کوئی تجویز ہے - یہ بھی سراسر غلط ہے کہ انجمن کا صدر دفتر انگلستان منتقل ہو رہا ہے - ریزرو پولیس کو حفاظت کے لئے طلب کرنے کا افسانہ بھی مدیر الاعتصام کا سراسر افتراء ہے -

قرآن مجید میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والوں کو مجرم قرار دیا گیا ہے - اور حدیث نبوی ہے کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع - کہ ہر سنی سنائی بات کو بیان کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے -

— آپ سوچ لیں کہ جو شخص از خود افتراء کرکے اسکی اشاعت کرے وہ کون ہوتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۲۶ — ماہنامہ **الفرقان** ربوہ — نمبر ۳/۴

ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۳۹۶ ہجری ● مارچ / اپریل ۱۹۷۶ء ● امان / شہادت ۱۳۵۵ ہجری شمسی

جماعت احمدیہ اور اسرائیلی حکومت نمبر

خلاصۂ مقالات

قیمت: دو روپے

مدیر مسئول

ابوالعطاء عبداللہ جالندھری

● اعزازی ارکان مجلس تحریر

○ صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب — ربوہ

● خان بشیر احمد خان صاحب رفیق — لنڈن

● مولوی دوست محمد صاحب شاہد — ربوہ

● مولوی عطاء المجیب صاحب راشد — جاپان

تازہ سالانہ اشتراک

(پیشگی قابل وصول)

عام بیرونی ممالک بحری ڈاک — ... روپے

... ہوائی ڈاک — ...

پاکستان عام ڈاک — ...

کینیڈا ہوائی ڈاک — ۹۶

ادارتیہ

اسرائیل میں جماعت احمدیہ کا خالص تبلیغی مشن

تبلیغِ اسلام کا یہ مشن سنہ ۱۹۲۸ء سے جاری ہے

اسرائیل کا قیام کن لوگوں کے ذریعہ ہوا ہے؟

(۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق فرمایا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ ع) کہ اسلام دینِ کامل ہے اور ہمیشہ کیلئے یہی پسندیدہ دین ہے۔ اس دینِ کامل کے متعلق اعلان فرمایا۔ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ٥ (توبہ ع) کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے وہ اسے بالآخر تمام ادیانِ باطلہ پر دلیل و برہان کے رو سے واضح طور پر غالب ثابت کر دے گا۔ خواہ کافر و مشرک لوگ اس بات کو کتنا ہی ناپسند کریں۔

یہ وعدہُ الٰہی اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور نبیٔ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ ثانیہ میں کامل طور پر ظاہر ہونے والا تھا جبکہ دنیا کے تمام مذاہب و ادیان میدانِ مقابلہ میں نکلنے والے تھے اور ساری دنیا کی قومیں ذرائع اتصال و حیات کے باعث ایک قوم کی طرح ہونے والی تھیں اور حقیقی غلبہ دلیل و برہان کا غلبہ سمجھا جانے والا تھا۔

(۲)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند جلیل حضرت امام مہدی مسیح موعود میرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے

آسمانی علامات اور الٰہی نشانات کے مطابق چودھویں صدی ہجری میں جبکہ مسلمانوں اور اسلام کی حالت پر مسلم زعماء بھی مرثیے پڑھ رہے تھے۔ مبعوث ہو کر اعلان فرمایا:۔

(الف) "سچائی کی فتح ہوگی اور اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کے ساتھ پھر چڑھے گا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا ہے"

(رسالہ فتح اسلام مطبوعہ ۱۳۰۸ ہجری)

(ب) "میں کبھی کا اس غم سے فنا ہو جاتا اگر میرا مولیٰ اور میرا قادر و توانا مجھے تسلی نہ دیتا کہ آخر توحید کی فتح ہے غیر معبود ہلاک ہوں گے اور جھوٹے خدا اپنی خدائی کے وجود سے منقطع کئے جائیں گے"

(اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

(ج) "قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہونگی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ۔ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔"

(اشتہار ۱۴ جنوری ۱۸۹۷ء)

(۳)

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے باطل طاقتوں کے ساتھ پون صدی کی چومکھی لڑائی کے بعد اپنے رب کریم کی طرف سے اپنے وصال کی خبر پاکر جماعت کو یوں **وصیت** فرمائی کہ:۔

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان تمام روحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں کیا یورپ اور کیا ایشیا۔ ان سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے جس کے لئے میں دنیا میں بھیجا گیا سو تم اس مقصد کی پیروی کرو مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے۔"

(الوصیت۔ دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۸)

جماعت احمدیہ کے مخلص افراد نے اشاعتِ اسلام کے لئے اس زمانہ میں بے مثال قربانی کی۔ جان، مال، وطن اور اولاد سب کچھ اس راہ میں فدا کر دیا تاکہ خدا تعالیٰ کی توحید زمین پر پھیلے۔

معاندِ احمدیت چوہدری افضل حق صاحب احراری نے بھی برملا اعتراف کیا ہے کہ:۔

"آریہ سماج کے معرضِ وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسدِ بے جان تھا جس میں **تبلیغی حس** مفقود ہو چکی تھی ...... مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت **تبلیغی اغراض** کے لئے پیدا نہ ہوسکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا۔ ایک مختصر جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا

"تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔"

(رسالہ فتنۂ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں ص ۲۵)

(۴)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال (مئی ۱۹۰۸ء) تک احمدیت کی شعاعیں انفرادی طور پر اکناف عالم میں پھیل گئی تھیں۔ افغانستان میں احمدی شہداء کے خون نے ۱۹۰۳ء میں ہی ان شعاعوں کو تابناک کر دیا تھا۔ پھر تبلیغی **تڑپ** کے نتیجہ میں بذریعہ کتب و رسائل امریکہ، یورپ اور ایشیا کے ممالک میں پیغام حق پہنچا اور سینکڑوں سعادتمندوں نے قبول کیا۔

جماعت احمدیہ کی طرف سے باقاعدہ **تبلیغی مراکز** کا سلسلہ **لندن تبلیغی مشن** سے شروع ہوا جس کا آغاز ۱۹۱۳ء میں ہوا۔ ۱۹۱۵ء میں **ماریشس مشن** جاری ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں احمدیہ دار التبلیغ امریکہ شروع ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں **گولڈ کوسٹ غانا** میں تبلیغی مرکز قائم کیا گیا۔ ۱۹۲۲ء میں سرزمین **مصر** میں بھی احمدیہ تبلیغی مرکز جاری ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں جماعت احمدیہ کا **جرمنی** میں تبلیغی مشن قائم ہوا۔ جولائی ۱۹۲۴ء میں **ایران** میں احمدیہ تبلیغی مشن جاری ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں **ملک شام** میں احمدیہ تبلیغی مرکز قائم کیا گیا۔ جب فرانسیسی حکومت نے مبلغ شام جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس کو علماء کی درخواست پر ملک چھوڑنے کا حکم دیا تو آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے برقی ارشاد پر سیدھا **فلسطین** تشریف لے گئے اس طرح **۱۹۲۸ء کے شروع** میں **فلسطین** میں احمدیہ تبلیغی مشن قائم ہوا۔ ستمبر ۱۹۳۱ء تک حضرت مولانا شمس صاحب اس مشن کے انچارج رہے اور پھر ۱۹۳۶ء تک خاکسار ابوالعطاء اس مشن کا انچارج رہا۔ ہمارے بعد بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے دیگر تمام احمدیہ تبلیغی مراکز کی طرح فلسطین احمدیہ مشن کے ذریعہ سے بھی تبلیغ اسلام جاری رہا۔

(۵)

احمدیہ جماعت ایک **تبلیغی جماعت** ہے۔ یہ سیاسی یا سازباز کرنے والی جماعت نہیں اس کا پیغام اسلام دنیا کی ساری قوموں دہریوں، ہندوؤں، یہودیوں، اور عیسائیوں سب کے لئے ہے۔ فلسطین میں اسرائیل بننے (۱۹۴۸ء) سے پہلے سے یہ مشن قائم ہے۔ ہم نے یہود کو دعوت اسلام دی۔ عبرانی زبان میں تورات کی ان پیشگوئیوں کو شائع کر کے جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی گئی ہے، یہود کو مسلمان ہونے کی دعوت دی۔ ماہنامہ البشریٰ فلسطین کے ذریعہ عیسائی پادریوں اور دیگر معاندین اسلام کا جواب دیا جاتا رہا اور دیا جاتا ہے۔ یہ فریضہ تبلیغ کی ادائیگی مسلمانوں کی ذمہ داری نہیں؟ میرے عرصۂ خدمت اسلام میں جب مرکز سلسلہ سے تحریک جدید شروع ہوئی تو فلسطین کی غریب جماعت اور ہمارے مدرسہ احمدیہ کے طلباء نے اپنے اخلاص سے جو چار صد شلنگ اور تقریباً شلنگ چندہ بھیجا تھا۔ دشمن ...

بلند کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں اور تمام اقوام کو اسلام کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ "اسرائیل" کے قیام کرنے میں اس کے لئے جاسوسی کرنے سے ہمارا ذرہ برابر تعلق نہیں ہے۔ جھوٹے ہیں وہ مولوی لوگ جو احمدیوں پر ایسے ناپاک اتہام لگاتے ہیں اور جھوٹے فتنے کھڑے کرتے رہتے ہیں۔ ہماری تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان لوگوں کو بھی سمجھ دے تا وہ بھی حق کو قبول کر سکیں!

وما علینا الّا البلاغ المبین!

مدحِ سیّد الکونین صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت مسیح موعود علیہ وسلّم کا پرمعارف کلام

جان و دلم فدائے جمالِ محمدؐ است — خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمدؐ است

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش — در ہر مکاں ندائے جمالِ محمدؐ است

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم — یک قطرۂ ز بحرِ کمالِ محمدؐ است

ایں آتشم ز آتشِ مہرِ محمدیؐ است

ویں آبِ من ز آبِ زلالِ محمدؐ است

خدا تعالیٰ کے نام پر التجا

معزز قارئین! اگلے دو صفحات (۷-۸) پر ہم حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کبیر کے دو اقتباس درج کر رہے ہیں۔ آپ انہیں مطالعہ فرما کر خدارا سوچیں کہ آیا جس امام اور جس امام کی جماعت کا یہ عقیدہ اور ایمان ہو وہ جماعت اسرائیلی حکومت کے قیام میں معاون بن سکتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ پر اسرائیل سے گٹھ جوڑ کا الزام لگانے والے انتہائی ظلم کر رہے ہیں۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

(ایڈیٹر)

ایک عظیم پیشگوئی

یہ خدائی تقدیر ہے کہ مُسلمان فلسطین پر غالب آئینگے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"جب ہم کہتے ہیں "عارضی طور" پر تو لازماً اس کے معنے یہ ہیں کہ پھر مسلمان فلسطین میں جائیں گے اور بادشاہ ہوں گے اور لازماً اس کے یہ معنے ہیں کہ پھر یہودی وہاں سے نکالے جائیں گے۔ اور لازماً اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ سارا نظام جس کو یو۔این۔او کی مدد سے اور امریکہ کی مدد سے قائم کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے گا کہ وہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور پھر اس جگہ پر لاکر مسلمانوں کو بسادیں دیکھو حدیثوں میں بھی یہ پیشگوئی آتی ہے۔ حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ فلسطین کے علاقہ میں اسلامی لشکر آئے گا اور یہودی اس سے بھاگ کر پتھروں کے پیچھے چھپ جائیں گے اور جب مسلمان سپاہی کسی پتھر کے پاس سے گذرے گا۔ تو وہ پتھر کہے گا کہ اے مسلمان خدا کے سپاہی! میرے پیچھے ایک یہودی کافر چھپا ہوا ہے۔ اس کو مار!

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تھی اُس وقت کسی یہودی کا فلسطین میں نام و نشان بھی نہیں تھا پس اس حدیث سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیشگوئی فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں یہودی اس ملک پر قابض ہوں گے مگر پھر خدا مسلمانوں کو غلبہ دے گا اور اسلامی لشکر اس ملک میں داخل ہوں گے۔ اور یہودیوں کو چن چن کے چٹانوں کے پیچھے ماریں گے پس عارضی میں اس لئے کہتا ہوں کہ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کا حکم موجود ہے۔ مستقل طور پر تو فلسطین عبادی الصالحون کے ہاتھ میں رہنی ہے سو خدا تعالیٰ کے عبادی الصالحون محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لوگ لازماً اس ملک میں جائیں گے نہ امریکہ کے ایٹم بم کچھ کر سکتے ہیں۔ نہ ایچ بم کچھ کر سکتے ہیں۔ نہ روس کی مدد کچھ کر سکتی ہے۔ یہ خدا کی تقدیر ہے یہ تو ہو کر رہنی ہے چاہے دنیا کتنا زور لگا لے۔"

○

"ربوہ سے تل ابیب تک" ○ پر مختصر تبصرہ

از قلم: محترم جناب صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب

حال ہی میں ایک رسالہ "بارشاد مولانا سید محمد یوسف بنوری" "ربوہ سے تل ابیب تک" کے سنسنی خیز عنوان کے تحت شائع ہوا ہے۔ اس عجیب و غریب عنوان نے خاکسار کی توجہ بھی اپنی طرف کھینچی اور یہ دیکھنے کے لئے کہ احمدیت کے خلاف کس قسم کی نئی کہانی کا تانا بانا تیار کیا گیا ہے۔ خاکسار نے اس کا مطالعہ کیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایسے تمام احباب کو جو مولانا کی شخصیت میں دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کے تبحر علمی، استعداد و ذہنی طرز فکر، وسعت قلبی، قوت استدراک اور راست گوئی کو قریب کی نظر سے دیکھنا چاہتے ہوں۔ ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ "مولانا" کی یہ تمام "صلاحیتیں" اس رسالہ میں پورے جوبن پر دکھائی دیتی ہیں کسی نہایت گھٹیا جاسوسی ناول میں جو خصوصیات پائی جا سکتی ہیں۔ وہ بدرجہ اتم اس رسالہ میں جمع ہیں اور ایسی ذہنی سطح کے لوگ جو گھٹیا جاسوسی ناول پڑھنے کا دماغ رکھتے ہیں ان کے لئے یہ رسالہ بہت سی دلچسپی کے سامان فراہم کر سکتا ہے۔

صیہونیت اور قادیانیت میں وجوہ مماثلت

اس رسالہ کا آغاز اسی تذکرہ سے کیا گیا ہے کہ رسالہ کی [illegible]

گیا ہے "صیہونیت اور قادیانیت میں وجوہ مماثلت"۔ غالباً قادیانیت سے "مولانا" کی مراد احمدیت ہے اور مولانا احمدیت کو قادیانیت لکھتے وقت اس ارشاد خداوندی سے یا تو ناواقف تھے کہ :-

"وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ"

"ترجمہ: ایک دوسرے کو (چڑانے کی خاطر) غلط ناموں سے نہ پکارا کرو۔"

یا پھر عمداً اس ارشاد کی تعمیل ضروری نہیں سمجھتے (بہرحال یہ ان کا ذاتی فیصلہ ہے)

پہلی تین وجوہ مماثلت جن کو مولانا بنیادی تصور فرماتے ہیں حرف اقبال صفحہ ۱۲۳ سے اخذ کی گئی ہیں علی الترتیب ان کا ذکر اور تجزیہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) "حاسد خدا کا تصور کہ جس کے پاس دشمنوں کے لئے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں ہوں۔"

اس سے معترض کی مراد یہ ہے کہ جس طرح بائیبل میں اسرائیلی انبیاء کے دشمنوں کی ہلاکت اور تباہی کی خبریں دی گئی ہیں اور ایک ایسے خدا کا تصور پیش کیا ہے جو اس کے نتیجے میں برگزیدہ بندوں کے دشمنوں کو دشمن سمجھتا اور ان

کی ہلاکت کے لئے لاتعداد زلزلوں اور بیماریوں کی خبریں دیتا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب (مسیح موعود علیہ السلام) نے بھی اپنے منکرین (اور اسلام کے دشمنوں) کے سامنے ایک ایسے ہی خدا کا تصور پیش کیا جو معترض کے الفاظ میں نعوذ باللہ "حاسد" ہے۔ اور اپنے مرسلین کے دشمنوں کو زلزلوں اور بیماریوں کا وعید دیتا ہے۔

تجزیہ: اس "وجہ مماثلت" پر ادنیٰ سا تدبر کرنے سے بھی یہ سوال بڑی شدت سے ذہن میں اٹھتا ہے کہ معترض کا اپنا مذہب اور مسلک کیا ہے اور

(الف) کیا وہ بائبل کو الہامی کتاب سمجھتا ہے یا نہیں؟

(ب) انبیاء بنی اسرائیل کو برحق تسلیم کرتا ہے یا نہیں؟

(ج) کیا اس کے نزدیک بائبل کا خدا اور ہے اور قرآن کریم کا خدا اور؟

(د) اگر وہ بائبل کو الہامی کتاب سمجھتا ہے۔ انبیائے بنی اسرائیل کو برحق سمجھتا ہے اور بائبل کے خدا اور قرآن کے خدا کو ایک ہی سمجھتا ہے تو کیا اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ وہ بائبل کے بیان کردہ ان تمام واقعات کو محرّف و مبدّل سمجھتا ہے۔ جن میں انبیائے بنی اسرائیل کے دشمنوں کی ہلاکت کے واقعات بیان کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح یکے بعد دیگرے رسولوں کے منکرین کو مختلف بیماریوں زلزلوں یا دیگر آفاتِ سماوی نے آپکڑا اور وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے؟

لہٰذا معترض یہ سمجھ کر کہ بائبل کے یہ قصے فرضی ہیں اور جھوٹے ہیں انہوں نے اپنی طرف سے بائبل میں داخل کر دئے ہیں ازراہِ تمسخر بائبل کے پیش کردہ اس خدا کو "حاسد" قرار دیتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ایک اسی قسم کا "حاسد" خدا دنیا کے سامنے پیش کیا ہے لہٰذا احمدیت اور یہودیت اس پہلو سے مشابہ ہیں۔

(ہ) اس مفروضہ پر بنا کرتے ہوئے کہ بائبل کے پیش کردہ قصے جھوٹے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ قرآن کریم ان قصوں کی تردید کرتا اور واضح طور پر جھٹلاتا ہے اور کسی ایسے خدا کا تصور پیش نہیں کرتا جو اس کے رسولوں کے منکرین اور ان پر ظلم کرنے والوں کو کسی بیماری یا زلزلہ سے ہلاک کرے۔ پس اس "حاسد خدا" کے تصور میں صرف بگڑی ہوئی یہودیت اور احمدیت مشترک ہیں اور قرآن کریم نے ایسے "حاسد خدا" کا تصور پیش نہیں کیا۔

ان سوالات کی روشنی میں اگر آپ ایک دفعہ پھر زیرِ بحث اعتراض کا جائزہ لیں تو اس کی لغویت اور بودہ پن خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہتے ہیں کہ معترض کا اپنا مذہب کیا ہے؟ اگر وہ مسلمان ہے تو کیا اسے کبھی قرآن باترجمہ پڑھنے اور اس کے مطالب پر ادنیٰ سا غور کرنے کی توفیق بھی نہیں ملی؟ اگر وہ قرآن باترجمہ پڑھ چکا ہے تو آخر کیوں اسے یہ خبر نہیں ہو سکی کہ قرآن کریم بائبل کے بیان کردہ ان واقعات کی کھلی کھلی تائید کرتا ہے۔ جن میں منکرینِ خدا اور منکرینِ رسل کی ہلاکت کی خبریں دی گئی ہیں۔ کیا اسے علم نہیں کہ خود قرآن کریم کے بیان کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے منکرین پر کس طرح پے در پے آسمانی آفات نازل ہوئیں اور کس طرح عجیب و غریب بیماریوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے منکرین کو ذلّت کا

اور ظلم کی سزا دی۔

کیا وہ نہیں جانتا کہ حضرت نوحؑ کی قوم پر کیا گزری؟ کیا وہ قوم ہودؑ کے انجام سے بے خبر ہے؟ اور اصحاب الایکہ کی ہلاکت کا کوئی ذکر اس نے قرآن میں نہیں پڑھا؟۔ کیا حضرت لوطؑ کے منکرین کے عبرت ناک انجام کی اطلاع بھی اسے نہیں پہنچی اور نہیں جانتا کہ کس طرح انکار کرنے والوں کی بستیاں ہولناک زلازل کے ذریعہ تہہ و بالا کر دی گئیں اور بڑی بڑی طاقتور قومیں زیرِ زمین دفن کر دی گئیں اور آج تک قدیم تجارتی شاہراہوں پر ان کے مدفن اہلِ بصیرت کے لئے عبرت کا سامان رکھتے ہیں؟

اگر معترض یہ سب کچھ پڑھنے کے باوجود بھول چکا ہو تو بطور یاد دہانی حسبِ ذیل آیات معہ ترجمہ پیش ہیں۔ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں۔ بائبل کی نہیں یہ وہ حقائق ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر الہام کئے گئے۔ یہ خدا کا وہ تصور ہے جو اصدق الصادقین حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ ملاحظہ ہو:۔

"وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○

(الاعراف۔ آیت ۱۳۱)

اور ہم نے آلِ فرعون کو (مصیبت والے) سالوں اور پھلوں کی پیداوار کی کمی (اور اولادوں کے مرجانے) سے پکڑا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○

(الاعراف۔ آیت ۱۳۴)

تب ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا۔ (یہ) الگ الگ نشان (تھے) تب بھی انہوں نے تکبر کیا۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○

(ھود۔ آیت ۳۸)

اے نوحؑ! تو ہماری آنکھوں (کے سامنے) اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا اور جن لوگوں نے ظلم (کا شیوہ اختیار) کیا ہے۔ ان کے متعلق مجھ سے (کوئی) بات نہ کر وہ ضرور (ہی) غرق کئے جائیں گے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ○

(ھود۔ آیت ۴۰)

پھر جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا (کہ) وہ کون (سا فریق) ہے۔ جس پر ایسا عذاب آرہا ہے جو اسے رسوا کر دے گا۔ اور جس پر مستقل عذاب نازل ہو رہا ہے۔

[illegible] مِّنَّا

وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ
مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ
ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(ھود آیت ۴۹)

(اس پر اُسے کہا گیا (کہ) اے نوحؑ! تو ہماری طرف سے (عطا شدہ) سلامتی اور (طرح طرح کی) برکات کے ساتھ جو تجھ پر نیز ان اُمتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں (نازل کی گئی ہیں) سفر کر۔ اور بعض جماعتیں ایسی بھی ہیں جنہیں ہم ضرور (دنیا کا عارضی) سامان عطا کریں گے (مگر) پھر ان پر ہماری طرف سے دردناک عذاب آئے گا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا
سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً
مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً
عِنْدَ رَبِّكَ ۚ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ
بِبَعِيْدٍ ۝

(ھود۔ آیت ۸۳-۸۲)

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس (حضرت لوطؑ کی بستی) کا اوپر والا حصہ کو نیچے والا (حصہ) بنا دیا۔ اور اس پر سوکھی مٹی کے بنے ہوئے پتھروں کی یکے بعد دیگرے بارش برسائی جو تیرے رب کی تقدیر میں (ان کے لئے پہلے سے) مقدر (اور نامزد) کئے ہوئے تھے اور ان ظالموں سے (بھی) یہ عذاب دور نہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا
شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ
يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ
كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

(ھود: ۹۵-۹۶)

اور جب ہمارا حکم (عذاب کے متعلق) آگیا۔ تو ہم نے شعیب کو اور ان (لوگوں) کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی (خاص) رحمت سے (اس عذاب سے) بچا لیا۔ اور جنہوں نے ظلم (کا شیوہ اختیار) کیا تھا۔ انہیں اس عذاب نے پکڑ لیا۔ اور وہ (اپنے) گھروں میں زمین سے چمٹے ہوئے تباہ ہو گئے۔ گویا وہ ان میں (کبھی) رہے ہی نہ تھے۔ شہر مدین کے لئے بھی (خدا نے) لعنت مقدر کی تھی جیسا کہ ثمود کے لئے (خدا نے) لعنت مقدر کی تھی۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ
عَنِيْدٍ ۙ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ
يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ

(ابراھیم: ۱۶-۱۷)

اور انھوں نے اپنی فتح کے لئے دعا کی اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر ایک سرکش (اور) حق کا دشمن ناکام رہا۔ اس (دنیوی عذاب) کے بعد (اس کے پیچھے) جہنم (کا عذاب بھی مقدر) ہے اور (وہاں) اسے تیز گرم پانی پلایا جائے گا۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ
يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ
وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۚ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ
عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝

(ابراھیم: ۱۸)

اور ظلم کی سزا دی۔

کیا وہ نہیں جانتا کہ حضرت نوحؑ کی قوم پر کیا گزری؟ کیا وہ قوم ہودؑ کے انجام سے بے خبر ہے؟ اور اصحاب الایکہ کی ہلاکت کا کوئی ذکر اس نے قرآن میں نہیں پڑھا؟۔ کیا حضرت لوطؑ کے منکرین کے عبرت ناک انجام کی اطلاع بھی اسے نہیں پہنچی اور نہیں جانتا کہ کس طرح انکار کرنے والوں کی بستیاں ہولناک زلازل کے ذریعہ تہ و بالا کر دی گئیں اور بڑی بڑی طاقتور قومیں زیر زمین دفن کر دی گئیں اور آج تک قدیم تجارتی شاہراہوں پران کے مدفن اہلِ بصیرت کے لئے عبرت کا سامان رکھتے ہیں؟

اگر معترض یہ سب کچھ پڑھنے کے باوجود بھول چکا ہو تو بطور یاددہانی حسبِ ذیل آیات معہ ترجمہ پیش ہیں۔ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں۔ بائبل کی نہیں یہ وہ حقائق ہیں جو حضرت محمد مصطفےٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر الہام کئے گئے۔ یہ خدا کا وہ تصور ہے جو اصدق الصادقین حضرت رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ ملاحظہ ہو:-

"وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

(الاعراف۔ آیت ۱۳۱)

اور ہم نے آلِ فرعون کو (مصیبت والے) سالوں اور پھلوں کی پیداوار کی کمی (اور اولادوں کے مرجانے) سے پکڑا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝

(الاعراف۔ آیت ۱۳۴)

تب ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون بھیجا۔ (یہ) الگ الگ نشان (تھے) تب بھی انھوں نے تکبر کیا۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝

(ھود۔ آیت ۳۸)

اے نوحؑ! تو ہماری آنکھوں (کے سامنے) اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بنا اور جن لوگوں نے ظلم (کا شیوہ اختیار) کیا ہے۔ ان کے متعلق مجھ سے (کوئی) بات نہ کر وہ ضرور (ہی) غرق کئے جائیں گے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

(ھود۔ آیت ۴۰)

پھر جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا (کہ) وہ کون (سا فریق) ہے۔ جس پر ایسا عذاب آرہا ہے جو اُسے رسوا کر دے گا۔ اور جس پر مستقل عذاب نازل ہو رہا ہے۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا

وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ
مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ
ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(ھود آیت ۴۹)

(تو) اُسے کہا گیا (کہ) اے نوحؑ! تو ہماری طرف سے (عطا شدہ) سلامتی اور (طرح طرح کی) برکات کے ساتھ جو تجھ پر اور ان اُمتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں (نازل کی گئی ہیں) سفر کر۔ اور بعض جماعتیں ایسی بھی ہیں جنہیں ہم ضرور (دنیا کا عارضی) سامان عطا کریں گے (مگر) پھر ان پر ہماری طرف سے دردناک عذاب آئے گا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا
سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً
مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً
عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ
بِبَعِيْدٍ ۝

(ھود۔ آیت ۸۲-۸۳)

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس (حضرت لوطؑ کی بستی) کے اوپر والے حصہ کو نیچے والا (حصہ) بنا دیا۔ اور اس پر سوکھی مٹی کے بنے ہوئے پتھروں کی یکے بعد دیگرے بارش برسائی جو تیرے رب کی تقدیر میں (ان کے لئے ہی) مقدر (اور نامزد) کئے ہوئے تھے اور ان ظالموں سے (بھی) یہ عذاب دور نہیں۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا
شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ
يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ
كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

(ھود، ۹۵-۹۶)

اور جب ہمارا حکم (عذاب کے متعلق) آگیا۔ تو ہم نے شعیب کو اور ان (لوگوں) کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی (خاص) رحمت سے (اس عذاب سے) بچا لیا۔ اور جنہوں نے ظلم (کا شیوہ اختیار) کیا تھا۔ انہیں اس عذاب نے پکڑ لیا۔ اور وہ (اپنے) گھروں میں زمین سے چمٹے ہوئے تباہ ہو گئے۔ گویا وہ ان میں (کبھی) رہے ہی نہ تھے۔ شہر مدین کے لئے بھی (خدا نے) لعنت مقدر کی تھی جیسا کہ ثمود کے لئے (خدا نے) لعنت مقدر کی تھی۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ
عَنِيْدٍ ۙ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ
يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۙ

(ابراھیم: ۱۶-۱۷)

اور انھوں نے اپنی فتح کے لئے دعا کی اور (نتیجہ یہ ہوا کہ) ہر ایک سرکش (اور) حق کا دشمن ناکام رہا۔ اس (دنیوی عذاب) کے بعد (اس کے لئے) جہنم (کا عذاب بھی مقدر) ہے اور (وہاں) اسے تیز گرم پانی پلایا جائے گا۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ
يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ
وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ
عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝

(ابراھیم: ۱۸)

وُہ اُسے تھوڑا تھوڑا کرکے پئے گا اور اُسے آسانی سے نگل نہیں سکے گا اور ہر جگہ (اور ہر طرف سے) اس پر موت آئے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے علاوہ بھی (اس کے لئے) ایک سخت عذاب (مقرر) ہے

اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

(الحجر : ۴۳)

اور یقیناً جہنم ان سب کے لئے وعدہ کی جگہ ہے۔

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝

(الحجر : ۵۱)

اور (یہ) کہ میرا عذاب ہی (حقیقتہً) دردناک عذاب (ہوتا) ہے

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ۝

(الحجر : ۷۳)

اس پر اُس (موعود) عذاب نے انہیں (یعنی لوطؑ کی قوم کو) دن چڑھتے (ہی) پکڑ لیا۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ (الحجر: ۷۴)

جس پر ہم نے اس بستی کی اُوپر والی سطح کو اس کی نچلی سطح کر دیا۔ اور اُن پر سنگریزوں سے بنے ہوئے پتھروں کی بارش برسائی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ

(الحجر: ۷۶)

اس (ذکر) میں فراست سے کام لینے والوں کے لئے یقیناً کئی نشان ہیں۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الحجر: ۷۹-۸۰)

ایکہ والے بھی یقیناً ظالم تھے ——— اس لئے ہم نے انہیں بھی (اسی طرح سخت) سزا دی تھی اور یہ دونوں جگہیں ایک (صاف اور) واضح راستے پر (واقع) ہیں

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

(القصص: ۳۹-۴۲)

اور فرعون نے کہا۔ اے درباروالو! مجھے اپنے سوا تمہارا کوئی معبود معلوم نہیں پس اے ہامان! میرے لئے گیلی مٹی پر آگ جلا (یعنی اینٹیں بنوا) پھر میرے لئے ایک قلعہ تیار

کر شاید اس پر چڑھ کر میں موسیٰؑ کے خدا کو معلوم کر لوں۔ اور میں تو اس کو جھوٹوں میں سے سمجھتا ہوں۔ اور اس نے بھی اور اس کے لشکروں نے بھی علاقہ میں بغیر کسی حق کے تکبر سے کام لیا اور خیال کیا کہ وہ ہماری طرف لوٹا کر نہیں لائے جائیں گے۔ پس ہم نے اس کو بھی اور اس کے لشکروں کو بھی پکڑ لیا اور ان سمندر میں پھینک دیا۔ پس دیکھو ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟ اور ہم نے (فرعونیوں) کو سردار بنایا تھا جو (اپنی سرداری کے غرور میں) لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائیگی

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝

(القصص : ۸۲)

پھر ہم نے اس کو اور اس کے قبیلہ کو زمین میں دھنسا دیا اور کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو اللہ کے سوا اس کی مدد کرتی اور کسی تدبیر سے بھی وہ (اپنے دشمن سے) بچ نہ سکا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝

(السجدۃ : ۲۳)

اور جس کو اس کے رب کی آیات یاد دلائی جائیں پھر بھی وہ ان سے اعراض کرے اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے۔ ہم یقیناً مجرموں سے بدلہ لیں گے۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ (الدخان : ۱۷)

جس دن ہم بڑی گرفت میں تم کو لے آئیں گے (تم پر کھل جائے گا کہ) ہم انتقام لینے والے ہیں۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ وَفِىْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۝ مَا تَذَرُ مِنْ شَىْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝ وَفِىْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۝ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ۝

(الذاریات - ۴۱-۴۶)

اس پر ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو (اپنے قہر سے) پکڑ لیا اور ان سب کو سمندر میں پھینک دیا اور (فرعون کی قسم) اس پر ملامت ہو رہی ہے۔ اور عاد کے واقعہ میں بھی (ہم نے بہت سے نشان چھوڑے ہیں اس وقت) جبکہ ہم نے ان پر ایک سخت آندھی چلائی تھی۔ اور جس پر وہ چلتی تھی اس کو (تباہ کر دیتی تھی اور اسے) گلی ہوئی ہڈیوں کی طرح کر دیتی تھی۔ اور ثمود میں بھی (ہم نے نشان چھوڑا) جب ان سے کہا گیا کہ ایک عرصہ تک فائدہ اٹھاؤ۔ اور انھوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی اور ان کو ایک عذاب نے آ پکڑا اور وہ دیکھنے کے دیکھتے رہے اور نہ تو بچنے کے لئے کھڑے ہو سکے اور نہ وہ کسی کی مدد حاصل کر سکے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝

(الذّٰریٰت : ۴۷)

اور ان سے پہلے نوحؑ کی قوم کو بھی (ہم ہلاک کر چکے تھے) وہ اطاعت سے نکلنے والی قوم تھی

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝

(الذّٰریٰت : ۶۱)

اور جنہوں نے کفر کیا ہے ان کے لئے اس دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ہلاکت نازل ہونے والی ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ
الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝

(القمر : ۷)

پس تو ان سے منہ پھیر لے اور اس وقت کا انتظار کر کہ پکارنے والا ایک ناپسندیدہ چیز (یعنی عذاب) کی طرف ان کو پکارے گا۔

خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ
مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ
جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِيْنَ
اِلَى الدَّاعِ ۚ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ
هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝

(القمر : ۸-۹)

ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہونگی۔ وہ قبروں سے نکلیں گے اسی طرح کہ گویا پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔ پکارنے والے کی طرف بھاگے جا رہے ہوں گے اور کافر یہ بھی کہتے جائیں گے کہ یہ تو بڑی تکلیف کا دن ہے

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝
وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى
الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝

(القمر : ۱۲-۱۳)

جس پر ہم نے بادل کے دروازے ایک جوش سے بہنے والے پانی کے ذریعہ سے کھول دیئے۔ اور زمین میں بھی ہم نے چشمے پھوڑ دیئے۔ پس (آسمان کا) پانی (زمین کے پانی کے ساتھ) ایک ایسی بات کے لئے اکٹھا ہو گیا جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ
مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيْفَ كَانَ
عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝

(القمر : ۱۶-۱۷)

اور ہم نے اس واقعہ کو ایک نشان کے طور پر (پچھلی اقوام کے لئے) چھوڑا تھا۔ کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ اور دیکھو! میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا (سخت اور درست) تھا

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ
عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ
نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۝ تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ
كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝
فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝

(القمر : ۱۹-۲۲)

عاد نے بھی (اپنے رسول کا) انکار کیا تھا۔ پھر دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ یعنی عذاب کیسا سخت تھا۔

اور ڈرانا کیسا سچا تھا) ہم نے ان پر ایک ایسی ہوا بھیجی جو تیز چلنے والی تھی اور ایک دیرپا منحوس وقت میں چلائی گئی تھی - وہ لوگوں کو اس طرح اکھیڑ پھینکتی تھی - گویا وہ کھجور کے ایسے تنے ہیں جن کے اندر کا گودا کھایا ہوا تھا - پس دیکھو کہ میرا عذاب (کیسا سخت) اور میرا ڈرانا کیسا (سچا) تھا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○

(القمر: ۳۱)

پھر دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟ (یعنی میرا عذاب کیسا سخت تھا اور میرا ڈرانا کیسا سچا تھا)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ ○

(القمر: ۳۳)

لوطؑ کی قوم نے بھی نبیوں کو جھٹلا دیا تھا۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ
اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ○

(القمر: ۳۵)

ہم نے ان کے تباہ کرنے کے لیے ایسی کنکروں سے بھری ہوئی ہوا چلائی (جس نے) آلِ لوطؑ کے سوا (سب کو تباہ کر دیا) ان کو صبح کے وقت (جب وہ عذاب آیا تو) ہم نے لوطؑ کے خاندان کو بچا لیا۔

وَلَقَدْ جَاۗءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ○
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ
اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ○

(القمر: ۴۱-۴۲)

اور آلِ فرعون کے پاس بھی نبی آئے تھے مگر آلِ فرعون نے ہماری سب آیتوں کو جھٹلایا - جس پر ہم نے ان کو ایک غالب طاقتور کی طرح عذاب میں پکڑا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ
مُّنْتَصِرٌ ○ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ
وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ○ بَلِ السَّاعَةُ
مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى
وَاَمَرُّ ○

(القمر: ۴۵ - ۴۷)

کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہیں جو غالب آکر رہیں گے ان کی جماعت کو عنقریب شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے - بلکہ ان کی تباہی کی گھڑی کا وعدہ کیا گیا ہے - اور وہ وعدہ کی گھڑی بہت زیادہ ہلاک کرنے والی اور سخت ہوگی۔

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰي
وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ○

(القمر: ۴۹)

جس دن کہ وہ اپنے سرداروں سمیت آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کا عذاب چکھو۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ
مِنْ مُّدَّكِرٍ ○

(القمر: ۵۲)

اور ہم تمہارے جیسے لوگوں کو پہلے بھی ہلاک کر چکے ہیں اور کیا (اس بات کو جان کر) کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ
فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ○
فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ

يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ۝ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

(المزمّل ۱۷ تا ۲۰)

پھر فرعون نے اُس رسول کی نافرمانی کی تھی اور ہم نے اس کو ایک وبال والے عذاب سے پکڑ لیا تھا۔ اور بتاؤ تو اگر تم نے اس دن کا انکار کیا۔ جو بچوں کو بڈھا بنا دیتا ہے تو تم کس طرح (عذاب سے) محفوظ رہو گے؟ آسمان خود ہی اُس عذاب سے پھٹا جانے والا ہے۔ یہ اُس (خدا) کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے والا راستہ اختیار کرلے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝ (الشمس: ۱۵ تا ۱۶)

لیکن انھوں نے اُس (نبی) کی بات نہ مانی بلکہ اس کو جھٹلا دیا اور (وہ) اونٹنی جس سے بچتے رہنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا (اس) کی کونچیں کاٹ دیں جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو خاک میں ملانے کا فیصلہ کر دیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ وہ مٹ گئے اور وہ اسی طرح ان (مکہ والوں) کے انجام کی بھی پرواہ نہیں کرے گا۔

مندرجہ بالا آیات معہ ترجمہ پیش کرنے کے بعد خاکسار معترض سے بادب یہ سوال کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ کیا اسلام کا خدا بھی یہودیت اور احمدیت کے خدا کی طرح نعوذ باللہ حاسد ہے اور دشمنوں کے لئے لاتعداد زلزلے اور بیماریاں اپنے پاس رکھتا ہے؟ اگر یہی بات ہے تو پھر کیا نعوذ باللہ قرآنی تعلیم بھی "اسلام کی روح اور مقاصد کے لئے مہلک ہے؟"

ازراہِ شفقت ان سوالات کا جواب ارشاد فرما کر مسلمانانِ عالم کے دلوں کی تسلی کا سامان فرمائیں۔

صاف ظاہر ہے کہ چونکہ قرآن کریم پر یہ اعتراض بدرجہ اولیٰ وارد ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا ایک لغو اور بیجا اعتراض ہونا بالبداہت ثابت ہے اور فی الحقیقت اس اعتراض کا نشانہ خود اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی ذات ہے جس کی سنت ہمیں بتاتی ہے کہ اس نے ہمیشہ اپنے ہر نبی کے مخالفین کو عبرتناک سزائیں دیں اور بڑی بڑی مجرم قوموں کو کلیتہً صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ پس اس اعتراض کی جڑیں لادینیت سے پیوستہ نظر آتی ہیں۔

دوسری وجہ مماثلت:

دوسری وجہ مماثلت یہ پیش کی گئی ہے کہ یہودیت کی طرح احمدیت بھی نبی کے متعلق نجومی تخیل پیش کرتی ہے یہود چونکہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اس لئے نبیوں کے متعلق یہود کے نجومی تخیل کا تصور معترض نے غالباً انبیائے بنی اسرائیل کی تاریخ سے اخذ کیا ہے جو بائیبل میں مذکور ہے۔ بائیبل کی رو سے یہ تمام انبیاء اللہ تعالیٰ سے علم پا کر غیب کی خبریں بیان کیا کرتے تھے اور غیب کی خبریں بیان کرنا معترض کے نزدیک نجومیت کا خاصہ ہے۔ لہٰذا اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا

نبی کے متعلق یہود نجومی تخیّل رکھتے تھے۔ حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام نے بھی چونکہ حضرت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کا امتی اور تابع نبی ہونے کا دعویٰ کیا اور اللہ تعالیٰ سے علم پاکر بہت سی غیب کی خبریں بیان فرمائیں لہٰذا معترض کے نزدیک یہودیت اور احمدیت دونوں کا تخیل نبوت **نجومیت** قرار پایا۔ یہ اعتراض بھی اپنی لغویت اور مضحکہ خیزی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ اعتراض قائم ہی تب ہو سکتا ہے جب پہلے یہ تسلیم کیا جائے کہ غیب کی خبریں بیان کرنا صرف نجومیوں کا خاصہ ہے اور کوئی سچا نبی غیب کی خبریں بیان نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں اس اعتراض سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ معترض کے خیال میں انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے سوا کبھی کسی نبی نے غیب کی خبریں بیان نہیں کیں لہٰذا اس نجومی تخیل میں صرف یہود کے مسلمہ انبیاء اور حضرت مرزا صاحبؑ شریک ہیں۔ اس پر پہلی گزارش تو یہ ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل کو نجومی قرار دینا ہی ایک مسلمان کے لئے سخت محل اعتراض بلکہ کلمۂ کفر ہے اور کوئی مسلمان جو گزشتہ تمام انبیاء پر ایمان لاتا ہو۔ بنی اسرائیل کے برحق انبیاء کی نبوت کو محض اس لئے نجومی تخیل قرار نہیں دے سکتا کہ وہ غیب کی خبریں بیان کیا کرتے تھے۔ گویا معترض کے نزدیک نجومیوں کے علاوہ علم غیب بیان کرنے میں صرف بنی اسرائیلی انبیاء اور حضرت مرزا صاحبؑ ہی شریک ہیں اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے سوا دیگر انبیاء کو علم غیب نہیں دیا جاتا تھا۔

ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان جو قرآن کریم کا معمولی علم بھی رکھتا ہو اس قسم کا لغو اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم تو واضح طور پر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے سوا کسی دوسرے شخص کو علم غیب پر غلبہ عطا نہیں فرماتا۔ جیسا کہ فرمایا :-

"فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ
اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ
رَّسُوْلٍ"

گویا قرآن کریم جس صفت کو اپنے برگزیدہ نبیوں کے ساتھ مخصوص کر رہا ہے وہ صفت معترض کے نزدیک صرف انبیائے بنی اسرائیل اور حضرت مرزا صاحبؑ (علیہ السلام) اور نجومیوں کو حاصل ہوتی ہے۔ یا للعجب!

یہ اعتراض جہاں ایک طرف قرآن کریم سے معترض کی جہالت کی دلیل ہے۔ وہاں اس بات کی بھی غمازی کر رہا ہے کہ یہودیت اور احمدیت کے درمیان مشابہت ثابت کرنے کے شوق میں معترض بنی اسرائیل کے برگزیدہ نبیوں پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔ اور ان کی نبوت کو بھی اپنے گھٹیا مذاق کا نشانہ بنانے سے باز نہیں رہتا۔ اس کے نزدیک چونکہ دونوں میں قدرِ مشترک غیب کی خبریں ہیں لہٰذا دونوں ہی نبوت کا نجومی تصور رکھتے ہیں۔ دیکھئے عداوت بعض اوقات انسان کو کیسا اندھا کر دیتی ہے کہ وہ حملہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھ سکتا کہ وار کس کس پر پڑ رہا ہے؟

اس اعتراض سے جہاں ایک طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معترض قرآن کریم سے بالکل بے بہرہ ہے ورنہ علم غیب کو علم نجوم قرار نہ دیتا۔ وہاں دوسری طرف یہ بھی عیاں ہے کہ وہ حقیقتِ احمدیت سے بھی بالکل نابلد ہے اور محض اپنے ہی خیالات کی تخلیق ایک خیالی احمدیت پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ اگر احمدیت پر اعتراض سے قبل اسے حضرت مرزا صاحب

علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کی توفیق ملی ہوتی تو کبھی ایسا لغو اعتراض نہ کرتا کیونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے نہایت عارفانہ اور محققانہ رنگ میں نبی اور نجومی کے درمیان کھلا کھلا فرق کر کے دکھا دیا ہے اور کوئی اشتباہ کا پہلو باقی نہیں چھوڑا۔ آپ نے آیت لا یظہر علی غیبہ احدا .... الخ کی نہایت لطیف تفسیر کرتے ہوئے بارہا یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اگرچہ نجومی بھی اٹکل پچو سے پیشگوئیاں کرتے ہیں اور بعض پیشگوئیاں ان کی سچی بھی نکل آتی ہیں لیکن انہیں انبیاء کے برعکس کبھی غیب پر غلبہ عطا نہیں کیا جاتا۔ اور ان کی اکثر پیشگوئیاں جھوٹی اور خیالی نکلتی ہیں ...... نیز ان میں تائید الٰہی اور نصرت باری تعالیٰ کی کوئی علامتیں نہیں پائی جاتیں جبکہ انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں میں ان کے غلبہ کے آثار و علامات اور اللہ تعالےٰ کی نصرت اور تائید کے روشن نشانات ملتے ہیں۔ مزید براں نجومی کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے غیب کی فلاں فلاں خبریں عطا فرمائی ہیں اگر وہ خدا تعالےٰ کی طرف غلط طور پر الٰہی خبریں منسوب کرنے کی کوشش کرے تو خدا تعالےٰ ایسے گستاخ کو ذلت کے ساتھ ہلاک کر کے دنیا پر اس کا جھوٹ ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ امتیاز صرف برحق رسولوں کو حاصل ہوتا ہے کہ دنیا کو غیب کی خبریں اپنی طرف سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سناتے ہیں اور تائید الٰہی کے بکثرت نشان اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ پس احمدیت کے پیش کردہ نبوت کے قرآنی تصور کو نجومیت کے مشابہ قرار دینا یا تو احمدیت کی اسلامی تعلیم سے معترض کی جہالت کی دلیل ہے یا عمداً محض ظلم کی راہ سے عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے یہ اعتراض کیا گیا ہے۔ یہ دونوں صورتیں سخت افسوسناک اور قابلِ مذمت ہیں۔

معترض اپنے اعتراض کے شوق میں یہ بات بھی بھول جاتا ہے کہ سب نبیوں سے زیادہ غیب کی خبریں تو حضرت خیر الرسل سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئیں کیا نعوذ باللہ اس کے نزدیک یہ اور بھی محل اعتراض ہے اور عیاذاً باللہ علم نجوم سے مشابہت کے مترادف ہے۔ معترض بتائے کہ اسرائیلی انبیاء اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے تصورِ نبوت میں وہ کون سی قدر مشترک ہے جو دیگر انبیاء کے علم غیب سے ان کو الگ کرتی ہے ۔۔۔ بنو اسرائیل کا تخیل نبوت تو اس کے سوا کچھ نہیں جو بائبل انبیائے بنی اسرائیل کے کردار کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ اگر یہ تخیل احمدیت کے تخیل کے مشابہ ہے اور اس تخیل کو نجومیت قرار دینا جائز ہے تو معترض کا فرض ہے کہ قرآن سے وہ تخیل نبوت نکال کر دکھائے۔ جو بنی اسرائیل کے انبیاء کے کردار کے منافی ہو اور اس تخیل کی مذمت کرنے والا ہو۔ بصورت دیگر ثابت کرے کہ بنی اسرائیل کی شخصیتوں کے علاوہ بھی کوئی یہودی تخیل نبوت ہے جسے نجومی تخیل کہا جا سکتا ہے۔ جو برحق انبیائے بنی اسرائیل کی نبوت پر اطلاق نہیں پا سکتا۔ بلکہ اس کے منافی ہے معلوم ہوتا ہے کہ معترض نے اعتراض کرتے وقت صرف یہ بات سامنے رکھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ نبوت کی تائید میں ایسی پیشگوئیاں پیش کیں جو اللہ تعالیٰ سے علم غیب پائے بغیر نہیں کی جا سکتی تھیں اور اس علم غیب کو اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔ معلوم معترض کا دماغ ان بنی اسرائیلی انبیاء کی طرف کیوں گیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ہی غیب کی

خبریں بیان کیا کرتے تھے چونکہ وہ اس بات کی اہلیت نہ رکھتا تھا کہ علم نجوم اور انبیاء کے علم غیب میں فرق کر سکے اس لئے اس نے تینوں کو باہم دگر مشابہ قرار دیتے ہوئے اعتراض اور تمسخر کی ایک راہ نکال لی۔ اگر وہ صرف نجومیت سے مشابہت کی حد تک رہتا تو ہمیں اس پر اتنا تعجب نہ ہوتا لیکن انبیائے بنی اسرائیل سے مشابہت کو باعث اعتراض ٹھہرانا تو سخت حیرت انگیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے جہاں معترض قرآن کریم سے بے بہرہ ہے وہاں احادیث نبویہ کا بھی کوئی علم نہیں رکھتا ورنہ بنی اسرائیل کے انبیاء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشابہت کو باعث اعتراض قرار نہ دیتا۔ دیکھئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے بنی اسرائیل سے مشابہت کو ایک سعادت اور خوش بختی کے طور پر پیش فرماتے ہیں جیسا کہ اپنی امت کے بزرگ اور متقی علمائے ربانی کے متعلق فرمایا۔ علماءُ امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

پس نہ تو انبیائے بنی اسرائیل سے مشابہت باعثِ ننگ ہے نہ وہ تخیل نبوت قابلِ شرم جو اسرائیلی انبیاء کے کردار سے اخذ کیا گیا ہو ہاں ایک بات ضرور باعثِ ننگ بھی ہے اور قابلِ شرم بھی اور اس سے بچنے کی مسلمان عوام اور علماء دونوں کو بہت دعا کرنا چاہیئے۔ وہ بات یہ ہے کہ خدانخواستہ ان کا کردار اس طرح یہود کے کردار سے مشابہ نہ ہو جائے جس طرح ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس بھیانک مشابہت کا ذکر کرتے ہوئے اور مسلمانوں کو اس وقت سے ڈراتے ہوئے سب سے بڑھ کر غیب کا علم پانے والے سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليأتين على امتي ما اتى على بني اسرائيل حذو النعل بالنعل حتى ان كان منهم من اتى امه علانية لكان في امتي من يصنع ذالك وان بني اسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق امتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار الا ملة واحدة قالوا من هي يا رسول الله! قال ما انا عليه واصحابي"

(ترمذی کتاب الایمان باب افتراق ھذہ الامۃ صفحہ ۸۹ ج ۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت پر بھی وہ حالات آئیں گے۔ جو بنی اسرائیل پر آئے تھے جن میں ایسی مطابقت ہے جیسے ایک پاؤں کے جوتے کی دوسرے پاؤں کے جوتے سے ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہوا تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا بدبخت نکل آئے گا بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں بٹ گئے تھے

اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی لیکن ایک فرقے کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے صحابہؓ نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کونسا ہے تو حضور نے فرمایا۔ وہ فرقہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔

(۲) "عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ علماءھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود"
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ کتاب العلم فصل الثالث صفحہ ۳۸ کنز العمال ج ۶ ص ۴۳)

ترجمہ :- حضرت علی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہ رہے گا۔ الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہ رہے گا یعنی عمل ختم ہو جائے گا۔ اس زمانے کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر تو آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے ان میں سے ہی فتنے اٹھیں گے اور ان میں ہی لوٹ جائیں گے۔ یعنی تمام خرابیوں کا وہی سرچشمہ ہوں گے۔

تیسری مماثلت :

یہودیت سے احمدیت کی تیسری مماثلت یہ بیان کی گئی ہے کہ دونوں ہی روح عیسیٰ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

"روح مسیح کے تسلسل کا عقیدہ" کے الفاظ پر ذرا غور فرمائیے! تم کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی۔ والا قصہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ ایک لغو اور مہمل فقرہ ہے جس کا نہ کوئی سر ہے اور نہ پیر اور کھینچ تان کر اگر اس کے کوئی معنی نکال لیے جائیں بھی تو حقیقت سے ان کا دور کا تعلق بھی دکھائی نہیں دیتا اگر معترض کی مراد یہ ہے کہ یہودی اور احمدی دونوں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح کی روح مسلسل اس دنیا میں رہتی ہے یا بار بار دنیا میں نیا جنم لیتی رہتی ہے، تو یہ دونوں باتیں سراسر بے بنیاد اور لغو ہیں۔

مسیح کے بارہ میں یہود کا عقیدہ مسیح کے بارہ میں احمدیت کے عقیدہ سے بالکل مختلف ہے اور جداگانہ ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کا عقیدہ بھی اس فرضی عقیدہ کے مطابق نہیں جو معترض نے دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ روح مسیح کے تسلسل کا عقیدہ محض ایک فرضی قصہ ہے جو معترض کا ایجاد کردہ ہے ورنہ نہ تو یہود اس کے قائل ہیں نہ مسلمان، نہ عہدنامہ قدیم میں اس کا کوئی ذکر ملتا ہے۔ نہ قرآن میں۔ نہ حدیث میں —

احمدیت کے نظریات چونکہ سراسر قرآن و حدیث پر مبنی ہیں لہٰذا احمدیت کے لئے ایسے غیر اسلامی عقیدہ پر ایمان رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جناب "مولانا بنوری" صاحب کے علم میں اضافہ کی خاطر گزارش ہے کہ یہود کا مسیح کے بارہ میں صرف یہ عقیدہ ہے کہ یہودی قوم کو از سرِ نو زندگی بخشنے اور دنیا پر غالب کرنے کے لئے ایک نبی پیدا ہوگا جسے بائبل مسیح کے نام سے پکارتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اس نبی کے ظاہر ہونے سے پہلے ایلیا نبی آسمان سے اترے گا۔ یہ ایلیا نبی وہ ہے جو یہودی خیال کے مطابق کبھی اپنی رتھ سمیت آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ اور مسیح کے ظہور سے پہلے اس نے آسمان سے اتر کر اس کی آمد آمد کی منادی کرنی تھی۔ یہود چونکہ آج تک ایسے ایلیا کا انتظار کر رہے ہیں جو اپنے مادی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا گیا اور زندہ آسمان سے اترے گا۔ لہٰذا وہ حضرت مسیح ناصری کے دشمن ہو گئے اور جب تک کوئی ایلیا بجسمِ عنصری آسمان سے نہ اترے وہ مسیحیت کے کسی دعویدار کے دعویٰ پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ اس عقیدہ کو روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ کہنا ایک نیرنگی خیال ہے۔ احمدیت کا عقیدہ یہود کے عقیدہ کے بالکل برعکس یہ ہے کہ جس مسیح کے ظہور کی خبر بائبل میں دی گئی تھی وہ مسیح تو ظاہر ہو کر اور اپنا مشن پورا کر کے فوت بھی ہو چکے ہیں اور کبھی دوبارہ دنیا میں واپس نہیں آئیں گے۔ احمدیت یہود کے اس الزام کو باطل قرار دیتی ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اپنے دعویٰ میں جھوٹے تھے۔ احمدی قرآن کریم کے بیان کے مطابق آپ کو سچا اور برحق نبی سمجھتے ہیں

احمدیت یہود کے اس خیال کی بھی تردید کرتی ہے کہ ایلیا نبی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تھے اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ ایلیا کا کیا ذکر کوئی رسول اور نبی بھی مادی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر نہیں اٹھایا گیا تاکہ بعد میں کسی دوسرے وقت اسے دوبارہ دنیا میں اتارا جائے اور کسی اور قوم کی طرف مبعوث کیا جائے۔ احمدیت اس خیال کو بشریت اور رسالت کے تقاضوں کے خلاف سمجھتی ہے۔ اب احمدیت کے عقیدہ کی اس وضاحت کے بعد ہم معترض سے یہ پوچھنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ (اوّل) تو یہ فرمائیں کہ احمدیت اور یہودیت کے ان متضاد عقائد میں جناب کو کون سی وجہ مماثلت نظر آئی ہے کیا یہ مماثلت دیکھنے کے لئے کسی خاص عینک کی ضرورت ہے؟ اور اس عینک کو تعصب کی عینک تو نہیں کہا جاتا۔ دوسرے اس امر پر بھی روشنی ڈالیں کہ حضرت مسیح کے بارہ میں احمدیت کے مندرجہ بالا عقیدہ کو "روحِ مسیح کے تسلسل کا عقیدہ" کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے کیا کسی نبی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ فوت ہو چکا ہے اور دیگر انبیاء کی طرح اس کی روح جسمِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکی ہے اس نبی کی روح کے تسلسل کا عقیدہ کہلائے گا۔ اگر کسی نبی کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس کی روح دیگر انبیاء کی روحوں کی طرح ہمیشہ کے لئے عالمِ بالا میں جا چکی ہے اور اب کبھی اس فانی دنیا میں واپس نہیں آئے گی۔ تو کیا ایسے عقیدہ کا نام اس نبی کی روح کے تسلسل کا عقیدہ قرار دیا جائے گا؟ اگر قرار دیا جائے گا تو کس منطق کس عقل اور کس محاورہ کی رو سے؟ علاوہ ازیں یہ بھی خرق کر کے دکھایئے کہ تمام انبیاء کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنے کی بناء پر اس عقیدہ

کو "کل انبیاء کی روحوں کے تسلسل کا عقیدہ" قرار کیوں نہ دیا جائے؟

اس سلسلہ میں ایک اہم گزارش یہ ہے کہ احمدی تو تمام انبیاء کی روحوں کے بارہ میں ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں اور حضرت عیسٰیؑ کی روح کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں کرتے۔ ہاں یہ خود آپ کا عقیدہ ہے کہ باقی تمام نبیوں کی روحیں تو جسم عنصری سے پرواز کر چکی ہیں صرف ایک حضرت عیسٰیؑ کی روح ہے جو مسلسل بلا انقطاع اسی مادی جسم سے وابستہ چلی آرہی ہے۔ اب فرمایئے اگر اس عقیدہ کا نام "روح مسیحؑ کے تسلسل کا عقیدہ" رکھا گیا رہیگا؟ کیا آپ کو یہ دلچسپ اصطلاح اپنے عقیدہ پر نہایت عمدگی سے چسپاں ہوتی نظر نہیں آتی؟ اس پہلو سے جب اس اصطلاح پر ایک بار پھر نظر ڈالی جاتی ہے اختیار یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو بنائی ہی آپ کے عقیدہ کے لئے گئی تھی، کیسی عمدگی سے ٹھیک بیٹھی ہے۔ جیسے کسی اچھے درزی نے عین ناپ کا کپڑا سیا ہو۔

اب رہا یہود کے عقیدہ سے مماثلت کا سوال۔ تو لطف کی بات یہ ہے کہ یہ مماثلت بھی جناب ہی کے حصہ میں آرہی ہے۔ کیونکہ یہود بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ایک نبی زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا اور آج تک ایک دفعہ پھر زمین پر اترنے کے انتظار میں زندہ آسمان پر بیٹھا ہے اور آنجناب کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ایک نبی زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا اور آج تک زندہ آسمان پر بیٹھا ہے۔ دونوں کے عقیدہ میں صرف شخصیت کا فرق ہے ورنہ ہوبہو ایک دوسرے کی تصویر ہیں۔ کیا خیال ہے اس مماثلت کے بارہ میں؟

آخر میں گزارش ہے کہ اگر روح مسیحؑ کے تسلسل کے عقیدہ سے مراد یہ ہے کہ احمدی حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں پر ایمان لا کر امت محمدیہؐ میں ظاہر ہونے والے ایک ایسے موعود نبی کی آمد کے قائل ہیں جسے خود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیح کا نام دیا گیا ہے تو سب سے پہلے تو جناب مولانا صاحب سے مودبانہ گزارش یہ ہے کہ اس عقیدہ کو یہودیت قرار دینے سے قبل یہ خوف خدا سے کام لیں اور استغفار کریں۔ کیونکہ مسیح موعود کے نزول کی پیشگوئی تو خود سید ولد آدم حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی جس کا بکثرت احادیث صحیحہ میں ذکر ملتا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی طرف سے تو یہ احادیث نہیں بنائیں۔ اس لئے کسی مسلمان کی طرف سے اس عقیدہ کا محل اعتراض ٹھیرایا جانا ایک انتہائی گستاخانہ امر ہے اور ایسے شخص کے متعلق دو ہی امکانات ہیں یا تو وہ احادیث نبویہؐ کا سرے سے منکر ہے اور اہل قرآن کے فرقہ سے تعلق رکھتا ہے جس کے مشہور سربراہ آج کل غلام احمد صاحب پرویز ہیں، یا پھر وہ حدیثوں کو تو صحیح تسلیم کرتا ہے لیکن نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کی جسارت کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے۔ معلوم نہیں "مولانا" پر ان دونوں میں سے کون سی صورت صادق آتی ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے وہ فرقہ اہل قرآن سے تو تعلق نہیں رکھتے واللہ اعلم بالصواب!

"مولانا" صاحب سے ایک بار پھر مودبانہ گزارش ہے کہ مسیح موعودؑ کے ظہور کے عقیدہ پر تو اہل قرآن کے سوا احمدیوں کی طرح تمام مسلمان فرقے ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان صرف فرق یہ ہے کہ احمدی تو ان پیشگوئیوں

کا مصداق اُمّتِ محمدیہؐ میں پیدا ہونے والے ایک مصلح کو قرار دیتے ہیں اور جسے لفظی مماثلتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسیحؑ کا لقب عطا کیا گیا اور غیر احمدی اُسی پرانے مسیحؑ کی آمد کے منتظر ہیں جو آج تک مسلسل آسمان پر زندہ بیٹھا ہوا ہے۔ "مسیح نبی اللہ" کی آمد پر تو بہرحال دونوں کو اتفاق ہے۔ ہاں احمدی روحِ مسیحؑ کے تسلسل کے ہرگز قائل نہیں۔ ایک نئی روح لے کر آنے والے نئے امتی مسیحؑ کی آمد کے قائل ہیں۔

نئی مماثلتیں نئے اعتراضات:

اقبال کے دائرۂ فکر سے آگے بڑھ کر جناب "مولانا" محمد یوسف بنوری صاحب نے بہت سی نئی مماثلتیں بھی تلاش فرمائی ہیں جو تفنّنِ طبع کے سامان سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتیں لیکن چونکہ ان کے نزدیک وزنی اعتراضات کا درجہ رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہم جواب دینے پر مجبور ہیں۔

(۱) احمدیت صیہونیت کی ایک شاخ ہے:

اقبال سے ماخوذ مندرجہ بالا تین مماثلتوں کے علاوہ جو نئی مماثلتیں اور نئے قابلِ اعتراض نکات مولانا صاحب نے دریافت فرمائے ہیں ان میں سے پہلا نکتہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے نسباً اسرائیلی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس لئے لازماً احمدیت صیہونیت ہی کی ایک شاخ ہے۔ اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ اوّل تو "مولانا" کو یہی معلوم نہیں کہ نسلاً اسرائیلی ہونے اور عقیدۃً یہودی ہونے میں کتنا فرق ہے۔ معلوم ہوتا ہے "مولانا" نہ تو نسل اور مذہب کے درمیان کوئی امتیاز جانتے ہیں اور نہ تاریخِ اسلام سے انہیں کوئی واقفیت ہے۔ ورنہ وہ ایسا لغو اعتراض قلم تک لانے کی جسارت نہ فرماتے۔ کیا جناب "مولانا" کا یہ خیال ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی نسل میں سے ہونا (نعوذ باللہ) کوئی لعنت کی بات ہے؟ کیا مولانا کا یہ خیال ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی نسل کا ہر انسان یہودی العقیدہ ہے اور نہ کوئی ان میں عیسائی ملتا ہے نہ مسلمان؟ کیا جناب "مولانا" صاحب کا یہ خیال ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی نسل کا کوئی فرد بھی اُمّتِ محمدیہ میں نہ کبھی شامل ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے بھی وہ مشرف بااسلام ہوا ہو تو بھی وہ مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ اور اس کا اسرائیلی ہونے کا جرم برقرار رہے گا یہاں تک کہ نسلاً بعد نسلٍ اس کی مسلمان در مسلمان اولاد بھی یہودی کہلانے کی سزاوار ہوگی۔

جناب "مولانا" صاحب! گزارش یہ ہے کہ آپ بات کہنے سے پہلے ذرا تول تو لیا کریں کہ فرما کیا رہے ہیں اور فرمانا کیا چاہتے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے رسالہ بنام "ایک غلطی کا ازالہ" سے آنجناب نے حسبِ ذیل استنباط فرمایا ہے:-

"قادیانی تحریک کے بانی۔ (مرزا غلام احمد
قادیانی) کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ نسلاً
اسرائیلی ہیں۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

درحقیقت اس امر کا برملا اظہار ہے کہ قادیانیت صیہونیت کی ہی ایک شاخ ہے۔

اصل عبارت کا کیا مفہوم ہے یہ تو بعد میں ذکر ہوگا۔ فی الحال ہم جناب مولانا صاحب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اس خودساختہ قاعدہ کلیہ کو ذرا دوسری جگہوں پر بھی جاری فرما کر دکھلائیے! مثلاً اگر حضور اکرم صلے اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی بنی اسرائیلی کا قبول اسلام ثابت ہو تو کیا ایسے مسلمان کے نسباً اسرائیلی ہونے کی وجہ سے اس کے اسلام کو نعوذ باللہ صیہونیت ہی کی ایک شاخ قرار دیا جائیگا ؟ مشہور صحابیؓ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق مولانا کا کیا خیال ہے ؟

ذرا اور آگے بڑھیئے ! اس بنی اسرائیلی صحابیؓ کی اولاد بھی ہوئی ہو اور سب دنیا میں پھیلی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اولاد نسباً اسرائیلی ہی کہلائے گی۔ خواہ مذہباً مسلمان ہو۔ ضروری نہیں کہ وہ تمام اولاد ایک ہی فرقہ سے تعلق رکھتی ہو عین ممکن ہے کہ ان میں سے بعض سنی ہوں، بعض شیعہ، بعض اہلحدیث، یا دیوبندی اور بعض چکڑالوی، اب "مولانا" کے گھڑے ہوئے قاعدہ کی رو سے کیا یہ نتیجہ نکالا جائیگا۔ کہ جس فرقہ میں بھی کوئی اسرائیلی نسل مسلمان ہے وہ فرقہ صیہونیت ہی کی ایک ذیلی شاخ ہے

ایک اور ضروری گزارش "مولانا" سے یہ ہے کہ اس اعتراض سے قبل کیا انہوں نے فلسطین کے مسلمان باشندوں اور شام کے مسلمان باشندوں وغیرہ کے بارہ میں یہ تسلی فرمالی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی نسباً اسرائیلی نہیں ہے یعنی جب سے اسلام کی نعمت دنیا کو عطا ہوئی ہے۔ کوئی اسرائیلی مسلمان نہیں ہوا۔ یا اگر ہوا ہے تو لازماً اس کی اولاد بقول مولانا صیہونیت کی کسی شاخ سے تعلق رکھتی ہے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ! کوئی عقل کی بات کریں، آپ کہہ کیا رہے ہیں ؟ اور آپ کو ہو کیا گیا ہے ؟

اب دیکھیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "ایک غلطی کا ازالہ" میں کیا تحریر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں خدا سے وحی پا کر کہتا ہوں کہ میں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اس حدیث کے جو کنز العمال میں درج ہے بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں۔"

اس عبارت میں کنز العمال کی جس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے اس میں حضرت سلمان فارسی کو اہل بیت قرار دیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اگر نسباً بنی اسرائیلی سے ہونے کا دعویٰ ہے تو براہ راست نہیں حضرت سلمان فارسی کی نسبت سے ہے

اب جناب مولانا صاحب سے میری گزارش یہ ہے کہ اس صورت حال پر ایک دفعہ پھر نظر ڈال کر اپنے اعتراض پر نظر ثانی فرمائیں کہ اس کی مکمل شکل کیا بنے گی ؟

حضرت مرزا صاحب کی عبارت کا منشاء تو یہ ہے کہ آپ اس لئے بنی اسرائیل میں سے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اگر مولانا صاحب حضور علیہ السلام کے اس دعویٰ کو قبول نہیں کرتے تو وجہ اعتراض ہی ختم ہو جاتی ہے۔ نہ حضرت مرزا صاحب اسرائیلی تسلیم ہوئے نہ مولانا صاحب کی منطق کی رو سے احمدیت صیہونیت کی شاخ گویا سارے اعتراض کا قصہ ہی پاک ہو جاتا ہے۔

اگر مولانا حضور کے دعویٰ کو تسلیم کرتے ہیں تو پہلے محل اعتراض تو حضرت سلمان فارسی بنے اور نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کا مذہب نسباً بنی اسرائیلی ہونے کے باعث (نعوذ باللہ) صیہونیت ہی کی ایک شاخ ہے اور قیامت تک آپ کی اولاد میں سے جو شخص بھی کوئی مسلک اختیار کرے گا۔ وہ مسلک صیہونیت ہی کی ایک نئی شاخ قرار پائے گا۔ کیا جناب مولانا صاحب کا یہی عقیدہ ہے ؟ اگر ہے تو اس کا جواب

اثبات میں ہے تو مولانا کی اس منطق کا اس عقلِ سلیم سے کوئی بھی رشتہ نہیں جو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم نعمت کے طور پر انسان کو عطا فرمائی ہے۔

(ب) انکارِ عیسیٰ علیہ السلام

مولانا صاحب نے دوسری وجہ مماثلت یہ دریافت فرمائی ہے کہ:-

"یہودیت کی بنیاد انکارِ عیسیٰ علیہ السلام
پر قائم کی گئی ہے .... قادیانی
تحریک کے بانی کا دعویٰ ہی انکارِ عیسیٰ
علیہ السلام پر مبنی ہے۔" (صفحہ)

اس اعتراض کا پہلا فقرہ ہی ایک عجیب و غریب لطیفہ ہے۔ کیا بات پیدا کی ہے جنابِ مولانا نے یہودیت کی بنیاد انکارِ عیسیٰ علیہ السلام پر قائم ہے !! قارئین ذرا غور فرمائیے مولانا صاحب کی تاریخ مذاہب سے واقفیت کس قدر عمیق ہے۔ اگر یہودیت کی بنیاد انکارِ عیسیٰ علیہ السلام پر قائم ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور سے پہلے کیا یہودیت کا کوئی وجود نہ تھا؟ مولانا ذرا واضح فرمائیں کہ قرآن کریم حضرت مسیح کے ظہور سے قبل جس یہودیت کی تاریخ بیان کرتا ہے وہ کیا چیز تھی؟ اس مذہب کا کیا نام تھا جس کی بنیاد قرآن کریم کے نزدیک تورات پر تھی نہ کہ انکارِ عیسیٰ علیہ السلام پر۔ احمدیت کی دشمنی میں کیا اب تاریخ مذاہب بھی تبدیل کر دی جائے گی۔ اب اگلا فقرہ ملاحظہ فرمائیے۔

"قادیانی تحریک کے بانی کا دعویٰ ہی
انکارِ عیسیٰ علیہ السلام پر مبنی ہے۔"

اللہ سے ڈریں مولانا! اللہ سے ڈریں! اتنی بڑی غلط بیانی [illegible] قادیانی تحریک سے مراد اگر احمدیت ہے تو احمدیت کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ رسول یقین کرتے تھے اور آپ کی رسالت پر ایمان لاتے تھے۔ آپ پر یہ الزام کہ آپ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے ایک افترائے عظیم ہے اگر آنجناب کا منشا یہ ہے کہ بانی احمدیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی غیر طبعی دو ہزار سالہ زندگی کے قائل نہ تھے تو یہ انکارِ عیسیٰ تو نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں انکارِ "ابن اللہ" اسے بیشک کہہ دیں اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو محض ایک بشر رسول تسلیم کرتے تھے اور آپ کے اندر کسی مافوق البشر قوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

بہرحال اگر انکارِ مسیح سے جناب کی یہی مراد ہے تو اس "انکارِ مسیح" کو یہود کے انکارِ مسیح کے مشابہ قرار دینا کیا معنی؟ یہود تو مسیح کو نہ ابن اللہ مانتے ہیں نہ رسول اللہ جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسیح کو رسول اللہ مانتے تھے ہاں ابن اللہ تسلیم نہیں کرتے تھے اگر جناب اس کو مماثلت قرار دیتے ہیں تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کے سوا ہم اس کا اور کیا جواب دے سکتے ہیں؟

(ج) قتلِ مسیح

تیسری لاجواب مماثلت جناب مولانا صاحب نے یہ تلاش فرمائی ہے کہ یہودی بھی حضرت مسیح کے قتل کے دعویدار ہیں اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام بھی مسیح کے مارنے پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

"میرا وجود ایک نبی کو مارنے کے
لئے ہے۔"

اس بات کو پڑھ کر قارئین خود اندازہ فرما سکتے ہیں کہ مولانا کا ذہن کس قدر الجھا ہوا ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح ابن مریم کو قتل کر دیا اور حضرت مسیح موعود کا یہ فرمانا کہ وہ ہرگز ان کو قتل نہ کر سکے اور صلیبی موت دینے میں ناکام رہے۔ جناب مولانا کے نزدیک ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ مولانا کے نزدیک یہود کا یہ دعویٰ کہ ہم نے عیسیٰ

ابن مریمؑ کو قتل کر دیا اور حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا یہ دعویٰ کہ آپ نے قرآن کریم کی بیّن آیات اور احادیث نبویہؐ کی رو سے حضرت مسیح علیہ السلام کا طبعی موت سے وفات پا جانا ثابت فرما دیا ہے۔ ایک ہی نوعیت کا جرم ہے اور ان دونوں پر قتلِ مسیحؑ کا الزام عائد ہوگا؟

مولانا کی پیش کردہ یہ مماثلتیں یقیناً اس لائق ہیں۔ کہ انہیں نوادر کے طور پر کسی ڈبہ میں بند کر کے محفوظ رکھا جائے تاکہ آنے والی نسلیں کچھ اندازہ تو کر سکیں کہ احمدیت کو کن صاحبِ فراست "بزرگوں" سے پالا پڑا تھا۔

حضرت مسیحؑ پر صحیح النّسب نہ ہونے کا الزام

مولانا صاحب کو مماثلتیں تلاش کرنے کا اس قدر شوق ہے کہ سچ جھوٹ میں کوئی تمیز باقی نہیں رہنے دی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ افترائے عظیم کرنے سے بھی نہیں چوکے۔ کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو یہود کی طرح صحیح النّسب قرار نہ دیتے تھے اور بغیر صفحہ کے حوالے کے کتاب "انجامِ آتھم" کی طرف آپ کا یہ عقیدہ منسوب کیا ہے۔ مولانا آپ مسلمان کہلاتے ہیں بلکہ مسلمانوں کے مذہبی رہنما بنتے ہیں کیا آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ قولِ زور ایک گناہِ کبیرہ ہے بعد قیامت کے دن اس افترا پردازی کا مؤاخذہ ہوگا۔ اگر آپ سچے ہیں تو من وعن وہ اقتباس شائع فرمائیے جس سے ثابت ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت مسیحؑ کو صحیح النّسب تسلیم نہیں کرتے تھے۔

صلیبی موت

یہودیت اور احمدیت کے درمیان ایک مشابہت

"مولانا" صاحب کو یہ سوجھی ہے کہ یہود یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو انہوں نے صلیب پر مار دیا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھایا۔ البتہ حضرت مسیحؑ صلیب پر مرے نہیں بلکہ نیم مردہ حالت میں زندہ صلیب سے اتار لئے گئے۔

جناب مولانا صاحب! اصل بحث تو تھا ہی یہی کہ یہود حضرت مسیحؑ کو صلیبی موت دینے میں کامیاب ہوئے کہ نہیں یا اس بنیادی نزاع میں احمدیت اور یہودیت کے عقائد میں قطبین کا فرق ہے محض صلیب پر چڑھانے کی تاریخی اور ثابت شدہ حقیقت میں اتفاق کو ایک قابلِ اعتراض مماثلت کے طور پر پیش کرنا لغویت کی انتہا ہے۔ اس طرح کی سینکڑوں ہزاروں مماثلتیں تو خود جناب مولانا صاحب میں اور مختلف دشمنانِ اسلام کے درمیان پائی جاتی ہیں اب دیکھئے یہود بھی حضرت مسیحؑ کو حضرت مریمؑ کا بیٹا سمجھتے تھے اور مولانا صاحب کا بھی اس بارہ میں یہی عقیدہ ہے تو کیا مولانا یہود کے مشابہ ہوگئے۔ یہود علماء بھی بڑی بڑی داڑھیاں رکھتے ہیں۔ یہود علماء بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بہت سے دیگر انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور مولانا بھی۔ جناب مولانا صاحب اور یہود کے مابین یہ اور اس قسم کی سینکڑوں مشابہتیں پیش کرنا ذرا بھی مشکل نہیں۔ تو کیا جناب مولانا صاحب ان مماثلتوں کے نتیجہ میں یہود کے ایجنٹ ثابت ہوتے ہیں اور کیا کسی کے لئے جائز ہوگا کہ ان مماثلتوں کے پیشِ نظر جناب مولانا یوسف بنوری صاحب کے بارے میں ایک رسالہ تحریر کرے جس کا عنوان ہو۔ "بنوری سے تل ابیب تک۔"

معجزاتِ مسیحؑ اور مسمریزم

ایک الزام "مولانا" نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ لگایا ہے کہ آپ یہود کی طرح حضرت مسیحؑ کے معجزات کو لہو و لعب اور مسمریزم سمجھتے تھے۔

اب اس جھوٹ اور بہتان کا کوئی کیا جواب دے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کو ہرگز کبھی مسمریزم قرار نہیں دیا۔ بلکہ ان عیسائیوں سے مناظرہ کے دوران جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے معجزات کو بنظرِ استخفاف و استہزاء دیکھتے تھے یہ موقف اختیار کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے حضرت مسیحؑ کے معجزات کو کوئی نسبت نہ تھی۔ اور بائبل سے ہی یہ ثابت فرمایا کہ حضرت مسیحؑ کے معجزات کی طرح کے کرشمے اس زمانہ کے بعض مسمریزم کرنے والے بھی دکھایا کرتے تھے لیکن یہ ہرگز کبھی نہیں فرمایا کہ خود حضرت مسیح کے معجزات مسمریزم یا شعبدہ تھے۔ بلکہ جہاں تک حضرت مسیحؑ کے قرآن مجید میں مذکور معجزات کا ذکر ہے انہیں تسلیم فرمایا اور ان کی وضاحت فرمائی اور ان معجزات پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ اب مولانا صاحب فرمائیں! کہ کیا یہود کا بھی عقیدہ ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے مقابل پر حضرت مسیحؑ کے معجزات معمولی حیثیت رکھتے تھے اور کیا یہی دونوں کے مابین وجہ مماثلت ہے۔ یہود تو ہر دو نبیوں کے معجزات کو جھوٹ و لغو قرار دیتے ہیں۔

اسلام دشمنی

ایک مماثلت مولانا نے یہ ایجاد فرمائی کہ یہود کی طرح احمدیہ جماعت بھی نعوذ باللہ اسلام کی بدترین دشمن ہے۔ اس کے ثبوت میں الفضل ۴ر جنوری ۱۹۵۲ء کا درج ذیل اقتباس پیش فرماتے ہیں:-

"ہم فتح یاب ہوں گے اور ضرور تم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش ہو گے اس دن تمہارا حشر وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا۔"

(رسالہ ربوہ سے تل ابیب تک ص۳)

پیشتر اس کے کہ اس طرزِ استدلال پر تبصرہ کیا جائے مناسب ہوگا کہ الفضل کا مذکورہ اصل اقتباس قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تاکہ ایک طرف تو یہ معلوم کرنے میں سہولت ہو جائے کہ "مولانا" صاحب کس حد تک اقتباسات پیش کرنے میں دیانتداری سے کام لیتے ہیں۔ اور دوسری طرف اصل سیاق و سباق کی روشنی میں قائل کا صحیح مدعا معلوم ہو سکے۔ اصل اقتباس حسب ذیل ہے:-

"یہ محض اکثریت میں ہونے کا نتیجہ ہے کہ تم ایسی باتیں کر رہے ہو لیکن غور کرو کیا ابوجہل کی بھی یہی دلیل نہ تھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کوئی حق نہیں کہ وہ ہمارے ملک کی [illegible] آباؤ اجداد کے خیالات کے خلاف کوئی بات کہے آخر آج جو دلیل تم دیتے ہو کیا وہی دلائل ابوجہل نہیں دیا کرتا تھا۔ تمہارے کہنے پر بے شک حکومت مجھے پکڑ سکتی ہے، قید کر سکتی ہے، مار سکتی ہے لیکن میرے عقیدہ کو وہ دبا نہیں سکتی

اس لئے کہ میرا عقیدہ جیتنے والا عقیدہ ہے وہ یقیناً ایک دن جیتے گا۔ تب ایسا تکبر کرنے والے لوگ پشیمان ہونے کی حالت میں آئیں گے اور انھیں کہا جائے گا۔ بتاؤ تمہارا فتویٰ اب تم پر عائد کیا جائے۔ جب محمد رسول اللہ صلعم نے مکہ فتح کیا اور اکثریت کا گھمنڈ کرنے والے لوگ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انھیں فرمایا۔ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے آپ کا مقصد کہنے سے یہی تھا کہ وہ اپنی اکثریت کے زعم میں جو کچھ کیا کرتے تھے وہ انھیں یاد دلایا جائے۔"

اصل اقتباس قارئین کے سامنے ہے افسوس کہ مولانا صاحب کو اصل اقتباس میں ردّ و بدل کرتے ہوئے یہ یاد نہ رہا کہ فتح مکہ سے تو کئی سال قبل ابوجہل مر چکا تھا۔ ورنہ وہ اپنی طرف سے اقتباس میں یہ اضافہ نہ فرماتے کہ :-

"اس دن تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا۔"

بہرحال اصل اقتباس پیش کر کے ہم مولانا صاحب کو اس سادہ سی حقیقت کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ معمولی عقل و فہم کا انسان بھی اس اقتباس کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس اقتباس سے یہ ثابت ہونے کی بجائے کہ احمدی ظالم ہیں اور دیگر مسلمانوں کے لئے سخت نفرت کے جذبات رکھتے ہیں بالکل برعکس نتیجہ نکلتا ہے اس میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اکثریت کے گھمنڈ میں کمزور اقلیتوں پر ظلم کرنا سنتِ انبیاء نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کا وطیرہ ہے لہٰذا تم اس لئے کہ تم اکثریت میں ہو احمدیت پر زیادتی کرنے سے باز آؤ۔ جماعت احمدیہ کی مثال حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کی اس حالت سے دی گئی ہے جبکہ آپ کمزور تھے اور دشمن بھاری اکثریت میں تھے۔ اس کے باوجود چونکہ مسلمانوں کا عقیدہ جیتنے والا عقیدہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی قلت کو کثرت میں بدل دیا اور آپ کے نظریہ کو مخالفین پر غالب کر دیا۔

ظاہر ہے کہ احمدیت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کی مثال دینا ہی اس بات کی سب سے بڑی ضمانت ہے کہ احمدی کبھی اپنے دشمنوں کے لئے بغض و کینہ کے جذبات نہیں رکھ سکتے بلکہ جب بھی اللہ تعالیٰ انہیں مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے گا وہ ان سے وہی سلوک کریں گے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے دشمنوں سے کیا۔ کیا مولانا کے نزدیک وہ سلوک نعوذ باللہ انتقام اور ہلاکت خیزی کا سلوک تھا ؟ کاش مولانا کو یہ یاد ہوتا کہ وہ سلوک لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا سلوک تھا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بخشش عام کا اعلان فرمایا تھا۔ پس جب احمدی اپنے لئے فتح مکہ کی مثال اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اختیار کرتے ہیں تو اس سے اپنے دشمنوں کے لئے ان کی ہمدردی ثابت ہوتی ہے نہ کہ عداوت۔ عفو ثابت ہوتا ہے نہ کہ انتقام، محبت ثابت ہوتی ہے نہ کہ نفرت!

اس معمولی سی بات کو سمجھنے کے لئے کسی غیر معمولی فہم و ذکاوت کی ضرورت نہیں

تمام دنیا پر غلبہ کا پروگرام:

عجیب و غریب مماثلتیں ایجاد کرنے میں مولانا صاحب کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کا ذہن رسا ایک سے ایک بڑھ کر مماثلت تلاش کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ حقیقتاً کوئی وجہ مماثلت ہو یا نہ ہو اس سے ان کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ نے یہودیت اور احمدیت میں ایک وجہ مماثلت یہ تلاش فرمائی ہے کہ جس طرح یہودیت تمام دنیا پر بزور غالب آنے کے خواب دیکھ رہی ہے اسی طرح احمدیت بھی سب دنیا کو اپنا محکوم بنانے کا پروگرام بنا رہی ہے۔ اس ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"قادیانیت بھی ——— انگریز اور
یہود کے زیر سایہ پوری دنیا کو کھا جانے
کا عزم رکھتی ہے قادیان کا خلیفہ کھل
کر اعلان کرتا ہے کہ "ہمیں نہیں معلوم کہ
کب خدا کی طرف سے دنیا کا چارج
سپرد کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنی طرف سے
تیار رہنا چاہیئے۔" (ص۹)

اس کے بعد اپنے موقف کی مزید تائید کے طور پر مولانا دو مزید اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ ایک اقتباس الفضل ۲۰ فروری ۱۹۵۲ء کا ہے جس میں خدام الاحمدیہ کے مہتمم تبلیغ کی طرف سے چھپنے والے ایک اعلان کے متعدد ذیل الفاظ مولانا نے اخذ فرمائے ہیں:۔

"۱۹۵۲ء کو گزرنے نہ دیجئے جب تک
احمدیت کا رعب دشمن اس طرح
محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت مٹائی
نہیں جا سکتی اور وہ مجبور ہو کر احمدیت
کی آغوش میں آگرے۔"

اس اعلان کا پہلا حصہ بھی اگر مولانا صاحب درج فرما دیتے تو ہر پڑھنے والا سمجھ جاتا کہ یہاں رعب سے مراد کوئی توپ و تفنگ اور شمشیر و سنان کا رعب نہیں بلکہ احمدی نوجوانوں کو محض تبلیغ کی تلقین کی گئی ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں بلکہ ہر مذہب و ملت اور ہر فرقہ اسلام کا حق بلکہ فرض ہے کہ وہ جن نظریات کو برحق اور باعث نجات سمجھتا ہے ان کی تبلیغ کر کے دنیا کو ہدایت کی طرف بلائے۔ اس موقف پر کوئی صحیح العقل انسان اعتراض نہیں کر سکتا۔

تیسرا اقتباس احمدیت کے خوفناک عزائم ثابت کرنے کے لئے مولانا نے یہ پیش کیا ہے:۔

"ہم احمدی حکومت قائم کرنا چاہتے
ہیں۔" (الفضل ۱۴ فروری ۱۹۲۲ء)

اس اقتباس کے متعلق ہم صرف اتنا ہی کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ جس الفضل کا مولانا نے حوالہ دیا ہے وہ دنیا میں کبھی شائع ہی نہیں ہوا۔ خدا جانے مولانا نے یہ حوالہ کیسے ایجاد فرما لیا؟

اب ہم مولانا کے پیش کردہ پہلے اقتباس کی طرف لوٹتے ہوئے یہ گزارش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے جس خطبہ جمعہ سے مولانا نے یہ فقرہ الگ کر کے پیش کیا ہے۔ اگر اس کے ساتھ کے چند فقرے بھی لکھ دیتے تو صاف کھل جاتا کہ دنیا کے چارج سے مراد کوئی جابرانہ قبضہ نہیں اور تیار رہنے سے مراد کسی فوج کشی کی تیاری نہیں بلکہ چارج سے مراد صرف روحانی ذمہ داری ہے اور تیاری سے مراد دینی تعلیم و تربیت کی تیاری ہے۔ نیز حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ہمیں اشارۃً بھی یہ نہیں

فرمایا کہ احمدی بزعم باز و خود دنیا کا چارج سنبھالیں گے بلکہ صاف وضاحت فرمائی کہ یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہی یہ سامان پیدا فرمائے گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے اصل الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"ہمیں نہیں معلوم ہمیں کب خدا کی طرف سے دنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے ہمیں اپنی طرف سے تیار ہی رہنا چاہیئے کہ دنیا کو سنبھال سکیں۔ تم نے دنیا کو ادھر نہیں لانا بلکہ لانے والا خدا ہے اس لئے تمہیں آنے والوں کے معلّم بننے کے لئے ابھی سے کوشش کرنی چاہیئے"

(الفضل ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء)

اس اقتباس میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اسی میں اس آیت قرآنی کے مضمون کی طرف اشارہ ہے:۔

"هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ؁"

احمدیت کا تو دعویٰ ہی یہی ہے کہ یہ تحریک تمام ادیان پر اسلام کے غلبہ کے لئے جاری کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سچا اور اٹل وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ کو اور آپ کے دین کو تمام دوسرے ادیان پر غالب فرما دے گا۔ اسی وعدہ کے ایفا کا سلسلہ تحریک احمدیت کو جاری کر کے فرمایا گیا ہے لیکن آیت مذکورہ میں خدا تعالیٰ نے اس غلبہ کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ جس میں اسی طرف اشارہ ہے خدا تعالیٰ خود ہی اس غلبہ کے سامان پیدا فرمائے گا یہ عاجز انسانوں کے بس کی بات نہیں۔ محولہ بالا خطبہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ اسی حقیقت کی طرف احمدیوں کی توجہ مبذول فرما رہے ہیں کہ یہ غلبہ تمہاری طاقت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ دنیا کے معلّم بننے کے لئے تیار رہو اور جب جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوں تو تم اس بات کے اہل ہو کہ ان کی عمدہ تربیت کر سکو۔ کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں کہ عاجزانہ نصیحت اور تبلیغ کے ذریعہ تمام دنیا کو اسلامی رنگ میں تربیت کرنے کے پاکیزہ منصوبہ میں مولانا کو اس صیہونی تحریک سے مشابہت نظر آ رہی ہے۔ جو توپ و تفنگ اور جدید ترین مہلک ہتھیاروں کی طاقت سے عالم اسلام ہی کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو مغلوب و مقہور کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔ یہ تو ویسی ہی مماثلت ہے جیسے کہا جائے کہ دیکھو اندھیرا بھی دنیا پر چھا جاتا ہے اور نور بھی دنیا پر چھا جاتا ہے لہٰذا نور بھی اندھیرے کی طرح نہایت خوفناک چیز ہے اور اس سے بچ کر رہنا چاہیئے۔ جیسے نفرت جبر کے ساتھ جسموں کو مغلوب کر لیتی ہے ویسے ہی محبت قلبی کشش کے ساتھ دلوں کو رام کر لیتی ہے۔ لہٰذا محبت بھی ویسی ہی گندی اور خبیث چیز ہے جیسے نفرت۔ اس محبت سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیئے۔ یہ طرز استدلال اگر درست ہے تو یہ جناب مولانا صاحب کو ہی مبارک ہو عام انسانی عقل اسے قبول نہیں کرتی۔

آخر میں مولانا سے صرف یہ سوال کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ کیا آپ بھی دیگر مذاہب پر اسلام کے غلبہ کے قائل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو کیا اس کے لئے عالمی غلبہ درست

کا پروگرام بنانے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں یا محض قائل ہونے پر ہی اکتفا ہے؟ اگر اس ضمن میں عملی پروگرام بنانے کا بھی ارادہ ہے تو کیا اپنی آخری اور فیصلہ کن عالمی فتح پر بھی جناب کو ایمان ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو فرمایئے کہ کیا آپ کے اس پروگرام کو صیہونیت کے عالمی غلبہ کے منصوبہ سے مشابہت تو نہیں؟ ذرا سوچ کر دلیل کے ساتھ جواب دیجیئے!

اسرائیلی سٹیٹ، یہود، برطانیہ اور امریکہ کی سازش سے قائم ہوئی اور ربوہ سٹیٹ، انگریز گورنر کی سازش سے:

ایک اور مضحکہ خیز مماثلت یہودیت اور احمدیت کے درمیان مولانا کو یہ نظر آئی ہے کہ جس طرح یہود، برطانیہ اور امریکہ کی سازش سے اسرائیلی سٹیٹ قائم ہوئی ہے اسی طرح پنجاب کے انگریز گورنر کی سازش سے ربوہ سٹیٹ پاکستان میں قائم ہوئی۔ افسوس! کہ مولانا صاحب کو **سٹیٹ یعنی ریاست** اور **ٹاؤن یعنی قصبہ** کے درمیان بھی فرق معلوم نہیں۔ اسرائیل ایک باقاعدہ خود مختار ریاست اور حکومت ہے جسے سامراجی ہاتھوں نے بزور شمشیر نہایت **ظالمانہ** اور **غاصبانہ** طور پر سرزمین فلسطین میں قائم کیا اور ربوہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو شہر چنیوٹ سے چھ میل مغرب کی طرف دریائے چناب کے کنارے آباد ہے۔ اس کا کل رقبہ ۱۰۳۴ ایکڑ ہے۔ یہ رقبہ اتنا چھوٹا ہے کہ گزشتہ زرعی اصلاحات سے قبل کثیر تعداد میں درمیانی درجہ کے زمینداروں کے پاس اس سے بڑھ کر رقبہ موجود تھا۔ [illegible] تحصیل لالیاں تحصیل چنیوٹ ضلع جھنگ

صوبہ پنجاب میں حکومت پاکستان اور پنجاب کی عملداری بھی اسی طرح شامل ہے جس طرح پاکستان کی ایک ایک انچ دوسری زمین۔ حکومت پاکستان کے تمام کل پرزے یہاں اسی طرح کام کرتے ہیں جس طرح پاکستان کے دیگر دیہات قصبات اور شہروں میں۔ اس قصبہ کو ایک آزاد مملکت کا نام دے کر اسرائیل کی ریاست سے تشبیہ دینا سادگی یا مکاری کی انتہا ہے اگر ایک ہزار ایکڑ پر پھیلے ہوئے اس چھوٹے سے قصبے کو اسرائیل کی طرح آزاد ریاست کہنا جائز ہے تو لاہور شہر کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ یا روس کی سوویٹ سوشلسٹ ری پبلک سے تشبیہ دینا کسی طرح مبالغہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ باقی رہا عظیم شہر کراچی تو وہ ایک عظیم آزاد براعظم سے کم نہیں۔ پس پاکستان میں اگر لاہور جیسی عظیم آزاد ریاست قائم ہو سکتی ہے جو دنیا کی سب سے بڑی استعماری طاقت امریکہ کے مشابہ ہے اور کراچی جیسا عظیم تر براعظم سما سکتا ہے تو اسرائیل کے برابر چھوٹی سی ریاست ربوہ پر کیا اعتراض ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان میں ربوہ کے برابر اتنی آزاد ریاستیں موجود ہیں اور ربوہ سے بہت بڑی اور طاقتور اتنی عظیم مملکتیں موجود ہیں کہ اگر دنیا میں ان کی نظیر ڈھونڈی جائے تو ساری دنیا ختم ہو جائے گی لیکن پاکستان کی آزاد ریاستیں باقی رہیں گی۔ ربوہ کے مغرب میں ایک بڑی ریاست **لالیاں** ہے مشرق میں کئی گنا بڑی مملکت **چنیوٹ** ہے ۲۸ میل مغرب میں ریاست ہائے متحدہ **سرگودھا** واقع ہے اور ۲۵ میل مشرق میں ریاست ہائے متحدہ **لائلپور** رونق افروز ہے۔ معلوم نہیں کیوں مولانا کو ربوہ کا تنکا تو نظر آ گیا یہ بڑے بڑے شہتیر نظر نہیں آئے۔ جناب مولانا صاحب شاید یہ پڑھ کر ہم پر الزام لگائیں کہ تم اس بات کو [illegible]

ٹال گئے ہو۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مذاق ہے تو اس مذاق کی ابتدا آپ نے فرمائی ہے اور آپ ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ اگر آپ ربوہ کو "سٹیٹ" قرار دیتے ہیں سنجیدہ تھے تو پھر سمجھ لیجئے کہ ہم بھی سنجیدہ ہیں۔ اب یہ ذمہ داری آپ کی ہے کہ ثابت فرمائیے کہ حکومت پاکستان کو لالیاں، چنیوٹ، سرگودھا، لائلپور، لاہور اور کراچی وغیرہ پر کونسی ایسی سیاسی طاقت حاصل ہے جو ربوہ پر نہیں کیونکہ ربوہ پاکستان کا حصہ نہیں پاکستان کے وہ کون سے قوانین ہیں جو اس ہزار ایکڑ رقبہ پر اطلاق نہیں پاتے؟ دنیا میں وہ کون کون سے ممالک ہیں جو "ربوہ سٹیٹ" کو ایک خودمختار ریاست کے طور پر تسلیم کر چکے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اور اس قسم کے بیسیوں سوالات پیدا ہوتے ہیں آپ اگر ان کا تسلی بخش جواب دے دیں تو پھر پاکستان کے ہر شہری کا حق ہے کہ حکومت پاکستان سے پوچھے کہ "ریاست ربوہ" کو کیوں حکومت نے تسلیم کر رکھا ہے اور قومی اسمبلی کے کس فیصلہ کے مطابق پاکستان کا یہ ٹکڑا پاکستان کی عملداری سے نکال کر خودمختار "ریاست ربوہ" کے نام منتقل کیا گیا تھا؟

اس آخری سوال کو مولانا نے خود ہی چھیڑ کر اپنی دانست میں اس کا معقول جواب بھی مہیا فرما دیا ہے۔ چنانچہ اپنے اعتراض کے ضمن ہی اس امکانی سوال کا جواب شامل کرتے ہوئے یہ انکشاف فرمایا ہے کہ ربوہ سٹیٹ کا قیام انگریز گورنر پنجاب کی سازش سے عمل میں آیا تھا۔ گویا نہ تو حکومت پاکستان اس میں قصوروار ہے اور نہ اس کا کوئی بس چلتا تھا۔ کیونکہ پنجاب کے انگریز گورنر کے سامنے حکومت کی کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ غرض اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ......

اب کون بیٹھ کر مولانا کو معاشرتی علوم اور سیاسیات کی ابجد پڑھائے۔ یہ بتائے کہ گاؤں کس کو کہتے ہیں، قصبہ کیا ہوتا ہے، تحصیل، ضلع، صوبہ اور مرکزی حکومت کیا ہوتے ہیں۔ ایک آزاد خودمختار ریاست اور کسی ملک کے ایک گاؤں میں کیا فرق ہے اور نظام حکومت کس طرح چلایا جاتا ہے؟

اب سنیئے جناب مولانا صاحب! ربوہ کا قیام اس طرح عمل میں نہیں آیا کہ کسی انگریز گورنر نے حکومت پاکستان کی بے خبری میں پاکستان کا ایک خطہ کسی غیر ملکی طاقت کے پاس بیچ دیا ہو بلکہ اس خطہ زمین کو خریدنے کے لئے جماعت احمدیہ نے ضلع جھنگ کے مسلمان ڈپٹی کمشنر چوہدری مشتاق احمد صاحب چیمہ سے باقاعدہ درخواست کی تھی۔ محکمہ مال کی ضروری کارروائی اور موقعہ کے معائنہ کے بعد جب ڈپٹی کمشنر موصوف نے اس خطہ زمین کو بے آب و گیاہ اور بیکار عرصہ سے بے آباد پایا تو اس کی منظوری کی سفارش جناب کمشنر صاحب ملتان ڈویژن کی خدمت میں کی۔ ان مسلمان کمشنر صاحب نے حکمانہ جائزہ کے بعد یہ کاغذات مشہور و معروف مسلمان فنانشل کمشنر جناب اختر حسین صاحب کو بھجوا دیئے۔ اس محکمہ کے وزیر کی طرف سے بعض اعتراضات لگ کر کاغذات پھر واپس روانہ ہوئے اور جوابات کے بعد پھر مسلمان وزیر مالیات کے پاس پہنچے جن کی سفارش پر پنجاب کی مسلم لیگی حکومت نے نہ کہ انگریز گورنر نے اس سودے کی منظوری دی۔ اور بالآخر یہ زمین جماعت احمدیہ کے نام فروخت کی گئی۔ گورنر کا الف سے ی تک اس معاملہ میں کوئی دخل نہ تھا۔ مولانا صاحب کو اپنی سادگی میں یہ پتہ ہی نہیں کہ حکومت کے فیصلے کس طرح ہوتے ہیں اور سرکاری زمین کی خرید و فروخت کے لئے کس طرح کارروائی ہوتی ہے اور کن اداروں سے گزر کر یہ حکومت کے کتنے

کارندے اس میں حصہ لیتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب ابھی ہندوستان سے پاکستان تشریف نہیں لائے تھے ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کوئی خفیہ معاملہ نہ تھا۔ احمدیت کے معاند اخبارات نے اس پر بڑا شور ڈالا۔ اداریئے لکھے گئے۔ علماء کے وفود بار بار حق و حقیقت سے ملے۔ حکومت کو اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا۔ اخبار آزاد، زمیندار، احسان اور مغربی پاکستان نے حکومت پر طرح طرح کے اعتراضات کئے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ کسی مخالف نے یہ نہ کہا کہ یہ انگریز گورنر کی سازش ہے اور مکتبہ الہیہ گورنر موڈی کا باہر کرے۔ اس سازش کا انکشاف آج ۲۴ سال بعد جناب مولانا بنوری صاحب پر ہی ہوا ہے۔ ہماری استدعا ہے کہ اگر کوئی اہم دستاویز انہیں ہاتھ آئی ہو جس سے معلوم ہو کہ اس وقت حکومت پاکستان ایک انگریز گورنر کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی تو ذرا اسے شائع تو فرما دیجئے!

قارئین ذرا غور فرمائیں کہ در اصل یہ اعتراض احمدیت پر نہیں اس وقت کی مرکزی اور صوبائی حکومت پر ہے۔ پاکستان کے لئے ننگ و عار ہے۔ اس اعتراض کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس اعتراض کا اصل نشانہ تو خود حضرت بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح بنتے ہیں جو اس وقت بفضلہ تعالیٰ زندہ سلامت موجود تھے۔ معاند اخبارات کے اتنے شدید اور وسیع پراپیگنڈے کے باوجود کیا ان کو کانوں کان بھی خبر نہیں ہوئی کہ حکومت پنجاب ایک انگریز گورنر کی انگلیوں کے اشاروں پر ناچ رہی ہے؟ کیا وہ عظیم الشان[2] جو ماؤنٹ بیٹن کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا اور جس کی حق پرستی اور دلیری کا بدترین دشمن بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہے خود اپنے مقرر کردہ انگریز گورنر کے ہاتھوں ایسا بے بس و لاچار رکھا کہ اس کے عزیز وطن میں اس کی آنکھوں کے سامنے وہ ایک خوفناک ریاست کا سودا کر رہا تھا اور قائد اعظم انگلی تک نہ ہلا سکے۔ بلاشبہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بانی پاکستان کے کردار پر ایک سنگین حملے کے مترادف ہے یا تو یہ حد سے بڑھی ہوئی سادگی اور لاعلمی کے نتیجہ میں ہو سکتا ہے یا سخت عناد کی بنا پر۔ اب اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اصل صورت حال کیا ہے۔ آخر پر مخالفین احمدیت کی یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے ہم ذیل میں بعینہٖ حکومت مغربی پنجاب کا وہ اعلان نقل کرتے ہیں جو اس وقت کے اخبارات کے گمراہ کن پراپیگنڈا کے جواب میں حکومت نے شائع کیا:۔

"لاہور سرکاری اطلاع ۔ ۲۸ ؍ اگست

بعض اخبارات میں ایک خبر چھپی ہے جس میں اس بات پر نکتہ چینی کی گئی ہے کہ حکومت مغربی پنجاب نے ۱۰۳۴ ایکڑ زمین ضلع جھنگ میں چنیوٹ کے قریب جماعت احمدیہ کے ہاتھ دس روپے فی ایکڑ کے حساب سے بیچی۔ الزام یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے بعض مسلم انجمنیں اس زمین کو پندرہ سو روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے خریدنا چاہتی تھیں۔ یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ جب ضلع وار آبادکاری کی تجویز کو منظور نہیں کیا گیا تو احمدیہ جماعت کو یہ موقعہ کیوں دیا گیا ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ کو اپنی کالونی بنا لے۔ یہ رپورٹ گمراہ کن اور

اصلیت سے دور ہے جس زمین کے
متعلق یہ اعتراض کیا گیا ہے وہ بنجر ہے
اور عرصہ دراز سے اسے زراعت کے
ناقابل سمجھا گیا ہے .... اُسے
جماعت احمدیہ کے ہاتھ فروخت کرنے
سے پہلے حکومت نے اس کا اشتہار
اخبارات میں دے دیا تھا۔ اور
پورے ایک مہینہ تک کسی شخص
نے اس پر کوئی اعتراض نہیں
کیا تھا۔"

(اخبار انقلاب لاہور ۳ اگست ۱۹۴۸ء ص ۶ کالم ۲، ۳)

دسویں حیرت انگیز مماثلت

معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا الزام عائد کرنے کے معاً بعد
جناب مولانا صاحب کو خود ہی یہ خیال آیا کہ انگریز گورنر نے
سازش کر کے ربوہ سٹیٹ تو قائم کر دی لیکن بعد کے مسلمان
گورنروں نے اسے آج تک قائم کیوں رہنے دیا؟ اور کیوں بعد
میں قائم ہونے والی مختلف مرکزی حکومتوں نے اس بستی
سے ایک خود مختار آزاد ریاست کے اختیارات چھین
نہیں لئے۔ قسمت کی یاوری دیکھئے کہ اس پیچیدہ سوال
کا حل تلاش کرتے ہوئے "مولانا" صاحب کو نہ صرف
جواب مل گیا بلکہ ایک بے نظیر دسویں مماثلت بھی ہاتھ
آ گئی اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا صاحب فرماتے ہیں:-
"یہودی سٹیٹ عالم اسلام کے
عین قلب میں امریکی امداد کے سہارے
زندہ ہے اور اگر اس کا یہ سہارا ختم
ہو جائے تو وہ ایک دن بھی باقی نہیں
رہ سکتی اسی طرح قادیانی سٹیٹ بھی
اپنے مغربی آقاؤں کے بل بوتے پر عالم
اسلام کے مایۂ ناز ملک پاکستان کے
عین قلب میں باقی ہے اگر اس کا یہ
سہارا ختم ہو جائے تو وہ ایک دن بھی
باقی نہیں رہ سکتی۔"
دیکھئے! مماثلتوں کی دنیا میں کیا بات پیدا فرمائی ہے
مولانا صاحب نے! بھلا ہے کوئی اس کی مثال؟
یہودی سٹیٹ نے اردگرد کے مسلمان ممالک پر
خطرناک حملے کئے یا ایسے حالات پیدا کئے کہ وہ خود ہتھیار
اٹھانے پر مجبور ہو گئے مگر تین نہایت ہولناک اور تباہ کن
جنگوں سے باوجود استعماری طاقتوں کی فوجی امداد کی
وجہ سے اسرائیل کو فیصلہ کن شکست نہ دی جا سکی۔ بلکہ
ہر جنگ کے اختتام پر پہلے سے زیادہ مسلمان علاقوں کو اس
نے غصب کر لیا۔ یہ ہے چند لفظوں میں اسرائیل کے باقی
رہنے کی داستان۔
یہ داستان کہ بالکل اسی طرح ربوہ سٹیٹ نے کب
یا پاکستان ایران اور افغانستان کی مسلمان ریاستوں پر
حملے کئے یا ایسے حالات پیدا کئے جن سے عظیم مسلمان ریاستیں
خود ربوہ سٹیٹ کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئیں
جناب مولانا ہی سنائیں کیونکہ کوئی دوسرا پاکستانی شہری خواہ
احمدی ہو یا غیر احمدی۔ اس سنسنی خیز تاریخ کے حالات
سے واقف نہیں۔
مولانا مماثلت کو مکمل کرتے ہوئے ازراہِ شفقت
امداد و شمند سے پردہ اٹھاتے ہوئے یہ بھی بتائیں کہ کیا ان

جنگوں کے دوران ربوہ سٹیٹ کو کتنے ہوائی جہاز کتنے دور مار توپیں کتنے ٹینک اور کتنی میزائلیں اپنے "مغربی آقاؤں" سے ملیں اور ان جنگوں کے دوران پر سرپیکار ریاستوں کا کیا کیا جانی و مالی نقصان ہوا نیز ان جنگوں کے اختتام پر کتنے ایکڑ اور کتنی کنال مزید اراضی ربوہ سٹیٹ نے ان مسلمان ریاستوں سے چھین لی۔ مولانا کی یہ رپورٹ جب بھی شائع ہوگی۔ اس زمانے کا سب سے زیادہ حیرت انگیز انکشاف ہوگا۔ کیونکہ یہ تاریخ کے عہد حاضر کا ایک ایسا باب ہے جس سے آج روئے زمین پر تمام بنی نوع انسان میں سے مولانا کے سوا کوئی واقف نہیں ہے سوائے ان میں مماثلت کا حال۔ اب رہا یہ سوال کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ حکومت پاکستان جب بھی ربوہ سٹیٹ پر فوج کشی کا ارادہ کرتی تھی۔ مغربی طاقتیں مثلاً انگریز وغیرہ حکومت پاکستان کو اس قسم کی دھمکیاں دے کر اپنے ارادے سے باز رکھتی رہی ہیں کہ اگر تم نے ربوہ سٹیٹ پر فوج کشی کی تو ہم تم پر فوج کشی کر دیں گے۔

یہ مسئلہ چونکہ یا تو صرف مولانا کو معلوم ہے یا پھر پاکستان کی گزشتہ اور موجودہ حکومت کے ارباب حل و عقد کو معلوم ہو سکتا ہے اس لئے جب تک اس منظر سے وہ پردہ نہ اٹھائیں ہم کیا عرض کر سکتے ہیں۔ مولانا ایک دینی رہنما ہیں عام اخلاقی اصولوں کے مطابق پاکستان کے ہر شہری کو ان سے یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں پوری ذمہ داری سے کہتے ہیں لیکن ہم پاکستان کے شہریوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اگر مولانا ہماری درخواست کو درخور اعتنا نہ سمجھیں تو پاکستان کے دوسرے شہری ان کو اس بات پر آمادہ کریں کہ تاریخ کے مذکورہ بالا حیرت انگیز باب سے پردہ اٹھائیں۔ ہاں ایک شرط یہ ہے کہ اپنے بیان میں اعداد و شمار ضرور دیں اور ان دستاویز کی تصویریں بھی شائع فرمائیں جن پر بنا کر کے مولانا یہ سنسنی خیز انکشافات فرمائیں گے۔

فلسطین پر قادیانیت اور یہودیت دونوں کا دعویٰ

یہودیت اور احمدیت کے درمیان ایک مماثلت مولانا کو یہ نظر آئی ہے کہ دونوں ہی ارض مقدسہ فلسطین کی تولیت کے دعویدار ہیں۔

تعجب ہے کہ مماثلت پیش کرتے ہوئے مولانا یہ بات بھول گئے کہ خود وہ بھی تو اس بات کے دعویدار ہیں کہ بحیثیت مسلمان فلسطین کی تولیت کے اولین حقدار ہیں اس لحاظ سے احمدیوں کی باری تو بعد میں آئے گی۔ یہود سے مماثلت کا پہلا شرف تو خود مولانا صاحب کو حاصل ہوگا اگر تو مولانا صاحب کے نزدیک صورت یہ ہوتی کہ یہود اور احمدی دونوں فلسطین کی تولیت کے دعویدار ہیں لیکن غیر احمدی ایسا کوئی دعویٰ نہیں رکھتے تو بات کسی حد تک بن جاتی لیکن جب خود مولانا صاحب کو بھی تولیت کا حقدار ہونے کا دعویٰ ہو تو وہ کس طرح اس مماثلت سے بچ گئے؟ دوسری چیز قابل توجہ یہ ہے کہ اب تک تو مولانا یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش فرما رہے تھے کہ گویا احمدیت نعوذ باللہ یہودیت ہی کی ایک شاخ ہے اور یہود اور استعماری طاقتوں کے ہاتھ کا کٹھ پتلی ہے۔ اب شوق مماثلت میں مثال ایسی دے بیٹھے جو یہودیت اور احمدیت کو دو حریفوں اور مدمقابل کے طور پر پیش کرتی ہے نہ کہ دوستوں اور حلیفوں کے طور پر۔ جب دونوں بالمقابل ارض مقدس کے دعویدار ہونگے تو اس سے ان میں باہم دشمنی ثابت ہوتی نہ کہ دوستی!

الفضل کا جو اقتباس مولانا نے اپنے دعویٰ کی

تائید میں پیش کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:-

" اگر یہودی اس لئے بیت المقدس کی تولیت کے مستحق نہیں کہ وہ جناب مسیحؑ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کے منکر ہیں اور عیسائی اس لئے مستحق نہیں کہ انہوں نے خاتم النبیین کی رسالت کا انکار کر دیا تو یقیناً غیر احمدی (یعنی مسلمان) بھی مستحق تولیت نہیں۔"

(الفضل جلد ۹ صفحہ ۳۲)

یہ اقتباس تقریباً درست ہے۔ مولانا نے صرف بریکٹ والے الفاظ (یعنی مسلمان) اپنی طرف سے بڑھائے ہیں اور یہ نوٹ دینا بھول گئے ہیں کہ یہ اصل عبارت کے الفاظ نہیں بلکہ ناقل کی تشریح ہے لیکن یہ الفاظ بڑھانے پر ہمیں اعتراض نہیں۔ ہمیں اعتراض یہ ہے کہ اس اقتباس کا اہم حصہ ترک کر کے وہ نتیجہ نکالا گیا ہے جو منشائے متکلم کے برعکس ہے۔ نتیجہ مولانا صاحب نے یہ نکالا ہے کہ احمدیوں کے نزدیک یا تو فلسطین کی تولیت کے احمدی حقدار ہیں یا پھر یہودی۔ غیر احمدی مسلمان بہرحال نہیں۔ یہ نتیجہ کسی طرح بھی دیانتداری پر مبنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ الفضل کے جس اداریئے سے یہ اخذ کیا گیا ہے اس کا وہ حصہ جو مولانا صاحب نے چھوڑ دیا ہے اگر ساتھ درج کر دیا جاتا تو ادنیٰ عقل کا آدمی بھی وہ نتیجہ نہ نکال سکتا جو مولانا نے نکالا ہے۔ عبارت کا وہ حصہ حسب ذیل ہے:-

" محض منطقی نہایت معقول وجہ پیش کرتا ہے کہ کیوں بیت المقدس عیسائیوں یا یہودیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں رہنا چاہیئے۔ بیت المقدس کی تولیت کے سزاوار یہودی اور عیسائی کسی طرح نہیں ہو سکتے جو صرف ایک پیغمبر یا دو پیغمبروں کو مانتے ہیں برخلاف مسلمانوں کے جو لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ پر ایمان رکھتے ہیں اور حضرت موسیٰؑ اور جناب مسیحؑ اور حضرت رسول اکرمؐ کی تصدیق ایمان کی تکمیل کرتے ہیں۔"

صاف ظاہر ہے کہ اس عبارت کو عمداً اس لئے ترک کیا گیا ہے تاکہ غلط نتیجہ نکالا جا سکے۔

اس تنقید کے بعد ہم اداریہ کی حیثیت کے بارہ میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ محض استدلال کا ایک رنگ ہے ورنہ جماعت کا واضح اور صاف موقف جو ہمیشہ خلیفۂ وقت کی طرف سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ یہ رہا ہے کہ سرزمین فلسطین فلسطینی مسلمانوں کی ہے اور کسی غیر کا حق نہیں کہ اس کے ایک چپہ پر بھی قبضہ کرے۔ جماعت احمدیہ نے ہمیشہ قیام اسرائیل کی شدید مخالفت کی ہے اور کھلے طور پر اس بارہ میں عربوں کا ساتھ دیا ہے اور آج بھی جماعت کا یہی موقف ہے کہ فلسطین فلسطینی مسلمانوں کا ہے اور استعماری طاقتوں کی بنائی ہوئی صیہونی حکومت ایک غاصبانہ حکومت ہے جس کے قائم رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

اس بارہ میں مزید گفتگو ہم آگے چل کر کریں گے۔

ربوہ سے تل ابیب تک

مولانا صاحب مماثلتوں کی مضحکہ خیز تخیلاتی دنیا
سے نکل کر اب الزام تراشی کے ایک نئے باب کا آغاز کرتے
ہیں جس کا عنوان ہے "ربوہ سے تل ابیب تک" یہ باب
پڑھ کر عدالتوں میں پیش ہونے والے گواہوں کا وہ حلف
یاد آجاتا ہے جس کے الفاظ کچھ اس طرح پر ہیں:-

I shall tell the truth, the whole truth and nothing but the truth.

یعنی میں سچی بات کہوں گا ساری سچی بات کہوں گا اور سچی
بات کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا۔ اگر اس عہد میں truth
کی بجائے falsehood کا لفظ داخل کر دیا جائے
اور اس عہد کا بہترین اطلاق اس باب پر ہو سکے گا جو مندرجہ
بالا عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔ بالکل یوں محسوس ہوتا
ہے کہ لکھنے والے نے لکھنے سے قبل یہ عہد کیا تھا کہ۔

I shall tell the falsehood, the whole falsehood, nothing but the falsehood.

یعنی میں جھوٹ بات کہوں گا تمام تر بات جھوٹ کہوں گا
اور جھوٹ کے سوا اور کچھ نہ کہوں گا۔

اس باب میں کوئی ایک بات بھی ایسی بیان نہیں
ہوئی جو سراسر جھوٹ نہ ہو یا جس میں جھوٹ کی زہر گھول
کر جھوٹ میں تبدیل نہ کر دیا گیا ہو۔ بے بنیاد الزام تراشیوں
اور افتراء کے اس ناپاک پلندے کا اصل جواب تو وہی ہے
جو قرآن کریم نے ہمیں سکھایا ہے کہ :-

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ

اور یہی ہمارا اصل جواب ہے لیکن بعض قارئین شاید اس جواب
کو کافی نہ سمجھیں اور مزید تبصرہ کے طلب گار ہوں اس لئے
اس حصہ مضمون پر بھی قلم اٹھایا جا رہا ہے۔

(۱) مولانا اپنے رسالہ کے صفحہ ۵۳ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور
کے اعلان ۱۹۱۷ء کے نتیجہ میں فلسطین
میں اسرائیلی سٹیٹ وجود میں آگئی جیسے
کہ آپ سن چکے ہیں۔ یہودیت اور
قادیانیت دونوں کا دعویٰ تھا کہ
مسلمان بیت المقدس اور فلسطین
کے مستحق نہیں۔ یہ سوال کہ اسرائیلی
سٹیٹ کے قیام میں قادیانی گروہ کا
کتنا حصہ ہے بڑی اہمیت رکھتا ہے
۱۹۱۷ء میں قیام اسرائیل تک
فلسطین پر قادیانی تبلیغ کی
یورش رہی اور قادیانیوں کے ممتاز
افراد سفید سامراج کے گماشتوں کی
حیثیت سے فلسطین میں کام کرتے رہے"

اس جھوٹ کا مقصد کیا ہے؟ صرف یہ کہ انگریز وزیر خارجہ
مسٹر بالفور کے ۱۹۱۷ء کے اعلان کے ساتھ جماعت احمدیہ
کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ باندھ کر بزعم خود یہ ثابت کیا
جائے کہ یہ تبلیغی کوششیں اسرائیل کے قیام کی غرض سے انگریز
کے ایما پر شروع کی گئیں نہ کہ اشاعت دین کے لئے۔ مولانا
نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ ۱۹۱۷ء میں جماعت احمدیہ
کے کون کون سے مبلغین وہاں گئے۔ اسرائیل کے قیام کے حق

میں انھوں نے وہاں کیا کیا پروپیگنڈا کیا؟ کون سا ایسا لٹریچر شائع کیا جس میں قیام اسرائیل کی تائید کی گئی تھی۔ اس وقت کے فلسطینی مسلمانوں نے اس پر کس ردِّ عمل کا اظہار کیا۔ فلسطین کے کن مسلمان جرائد نے قادیانیوں کے گمراہ کن پروپیگنڈے کا ذکر کرکے ان کے جواب کی کوشش کی؟ ہندوستان کے کن مسلمان اخبارات نے اس بات کا نوٹس لیا اور جماعت احمدیہ کی اس مذموم کوشش کی مذمت کی؟ ان سب سوالات کا جواب ایجاد کرنا مشکل ہو تو کسی ایک سوال کا جواب ہی مولانا دے دیں مگر دیں ثبوت کے ساتھ .... ورنہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور سوچیں کہ کس صدوق و امین رسولؐ کی امت کہلاتے ہیں۔ کیا آپ کو ایسی افتراء پردازی زیب دیتی ہے؟

(۲) اصل واقعہ یہ ہے کہ شام سے دارالخلافہ دمشق میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی طرف سے جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس اواخر ۱۹۲۴ء سے فرائض تبلیغ سرانجام دے رہے تھے۔ اس وقت شام پر فرانسیسی حکومت مسلّط تھی چنانچہ دمشق کے مشائخ و علماء فرانسیسی حکومت کے رئیس الوزراء کے پیش ہوئے اور درخواست کی کہ اس احمدی مبلغ کو یہاں سے نکال دیا جائے چنانچہ ان کی اس درخواست کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے حکومت نے ۹ مارچ ۱۹۲۸ء کو آپ کو حکم دیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر شام سے نکل جائیں۔ جناب مولانا شمس صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیحؓ کو بذریعہ تار اس واقعہ سے مطلع کرکے راہنمائی چاہی تو آپ کو حیفا جانے کا ارشاد ہوا چنانچہ آپ دمشق میں ایک مقامی احمدی مسلمان جناب السید منیر الحصنی صاحب کو اپنا قائم مقام بنا کر ۱۷ مارچ کو حیفا تشریف لے گئے۔ وہاں اس طرح پہلی مرتبہ فلسطین میں جماعت احمدیہ کا تبلیغی مرکز قائم ہوا۔

یہ ہے اصل واقعہ کہ جسے مولانا نے سراسر غلط تاریخوں کے ساتھ غلط انداز میں غلط مقاصد باندھ کر پیش کیا ہے۔ اگر مولانا صاحب اسی کتابچہ میں یہ بھی تحریر نہ فرماتے کہ انھیں انسائیکلوپیڈیا سے بھی بڑھ کر تحریک احمدیت کے وسیع و عمیق مطالعہ کا موقع ملا ہے تو ہم احتراماً یہ گمان کر سکتے تھے کہ محض لاعلمی میں ایسی نامناسب بات کہہ دی۔ قصور صرف یہ ہے کہ خود تحقیق نہ فرما سکے۔ لیکن مولانا کے اس فخریہ اعلان کے بعد بھلا اس حسنِ ظن کی گنجائش بھی ہمارے لئے کیا باقی رہی ہاں صرف اتنی رعایت کی گنجائش ہے کہ مولانا صاحب اپنا جو معیارِ مماثلت پیش فرما چکے ہیں۔ اس کی رو سے ان کو مولانا شمس صاحب کے حیفا جانے کی تاریخ ۱۷ مارچ ۱۹۲۸ء اور مسٹر بالفور کے اعلان ۱۹۱۷ء میں ایسی مماثلت نظر آئی کہ دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا۔ آخر کیوں نہ ہو دونوں تاریخوں میں "۱۷" کا عدد مشترک ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیحؓ کی زیارتِ فلسطین

ایک الزام مولانا نے اسی باب میں یہ لگایا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ ۱۹۲۴ء میں انگلستان سے واپسی پر اس غرض سے فلسطین رکے کہ وہاں اسرائیل کے لئے سازشیں کریں۔ گویا قیام اسرائیل سے سالہا سال قبل کسی کا فلسطین جانا ہی مولانا کے نزدیک اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ قیام اسرائیل کی غرض سے یہ سفر اختیار کیا گیا ہے چنانچہ اس کافی و شافی "ثبوت" کے بعد مولانا نے یہ ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی کہ ان سازشوں سے پردہ اٹھاتے جو اس موقعہ پر عمل کی گئیں۔ کچھ اخبارات کچھ رسائل کی خبریں دیتے اکابرین فلسطین کے کچھ بیان نقل فرماتے کہ اس طرح جماعت احمدیہ

کے امام نے فلسطین ٹھہر کر نعوذ باللہ قیام اسرائیل کے لئے یہ یہ کوششیں کیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مولانا نے ان سب کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں فرمائی کہ کسی کا فلسطین جانا ہی فی ذاتہٖ کافی ثبوت ہے۔ علم تجسس میں اس انوکھا انکشاف کا اضافہ مولانا کا ایک کارنامہ ہے۔ صرف مشکل یہ ہے کہ اس کسوٹی پر اگر ان سب زائرین کو پرکھا گیا جو ۱۹۴۸ء سے قبل فلسطین جانے کے جرم میں ملوث ہو چکے تھے۔ تو لاکھوں کروڑوں، بندگانِ خدا اسی جرم میں پکڑے جائیں گے۔

۱۹۳۴ء میں تحریک جدید کے آغاز پر

جماعت فلسطین کا چندہ

جاسوسی کا ایک اور عظیم کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے مولانا صاحب فرماتے ہیں :-

> "۱۹۳۴ء میں خلیفہ قادیان نے دنیا
> میں تبلیغ کا جال پھیلانے کے لئے جو
> دراصل انگریز کے محکمہ جاسوسی کی ذیلی
> شاخ تھی۔ تحریک جدید کا اعلان کیا اور
> اس کے لئے مالیات کا مطالبہ کیا تو سب
> سے زیادہ رقم فلسطین کی قادیانی جماعت
> نے مہیا کی۔"

کذب مرکب کی یہ ایک عمدہ مثال ہے اور اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کیوں اور کیسے ایک جھوٹ دوسرے جھوٹ کو جنم دیتا ہے۔ پہلا جاسوسی انکشاف تو اس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جماعت احمدیہ کی تبلیغ اسلام کی عالمگیر کوششیں "انگریز کے محکمہ جاسوسی کی ایک ذیلی شاخ تھیں"۔ اس بات کا ثبوت پیش کرنے کی حسب سابق مولانا نے ضرورت نہیں سمجھی اور اس بارہ میں وہ معذور بھی ہیں۔ جھوٹ لوٹنا تو ہر اس شخص کے لئے جو خوفِ خدا سے آزاد ہو جائے ایک آسان بات ہے۔ انٹ سنٹ جو دماغ میں آیا زبان سے نکل گیا ثبوت فراہم کرنا ایک الگ مسئلہ ہے لیکن افسوس کہ مولانا نے جھوٹ کے لئے میدان بھی کون چنا۔ خود آپ کو انہیں توفیق نہیں مل سکی کہ اسلام کے عالمگیر پیغام اس دعوت کو دنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں اور اس کے لئے جانی و مالی کی قربانیاں پیش کر سکیں۔ ہاں جو غریب جماعت حیرت انگیز جانی و مالی قربانیوں کے ذریعہ سخت مشکلات کے باوجود دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر غلبہ کی خاطر ساری دنیا میں "تبلیغ کا جال" پھیلا رہی ہے اس کی راہ میں کانٹے بچھانے کو ہی یہ خدمت اسلام سمجھ بیٹھے ہیں۔ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کو انگریز کی جاسوسی قرار دینا مولانا صاحب کے نفس قدسی کو ہی زیب دیتا ہے گویا تبلیغ اسلام کی عظیم عالمگیر تحریک سے یہی لوگوں کو یہ کہہ کر بدظن کیا جا رہا ہے کہ یہ تبلیغ کی نہیں جاسوسی کی ایک تحریک ہے۔ پراپیگنڈہ کا یہ طریق یہودیت کے کھلے کھلے عناصر اپنے اندر رکھتا ہے اور دراصل مخالفت اسی کو کہتے ہیں۔ یہودیت کا یہ معروف طریق ہے کہ اسلام کی مذہبی یا سیاسی حمایت میں جو بھی موثر تحریک دنیا میں اٹھتی ہے اسے ناکام اور بدنام کرنے کے لئے اس قسم کا لغو اور بھرپور پراپیگنڈہ کرتے ہیں۔ لیکن اس بارہ میں کچھ آگے چل کر مزید گفتگو کی جائے گی فی الحال ہم مولانا سے صرف اتنی گزارش کریں گے کہ آپ کی طرز فکر قابل رحم ہے۔ اسلام کی حمایت میں ایک عالمگیر مہم جاری کرنے کی توفیق بھی آپ کے نزدیک کسی مسلمان کو نہیں بلکہ انگریز ہی کو نصیب

ہوئی۔ انگریز ہی کو یہ توفیق ملی کہ قلب عیسائیت میں جماعت احمدیہ کے ذریعہ مساجد بنائیے۔ انگریز ہی کو یہ توفیق ملی کہ دشمنانِ اسلام کے رد اور کسرِ صلیب کے لئے احمدیت سے ایسا شاندار لٹریچر تیار کروائیے کہ دنیائے عیسائیت میں تہلکہ مچ جائیے۔ انگریز ہی کو یہ توفیق ملی کہ دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں جماعت احمدیہ کے ذریعہ قرآن کریم کے تراجم کروائے اور ان کی وسیع اشاعت کا انتظام کرے۔ انگریز ہی کو یہ توفیق ملی کہ یورپ اور امریکہ اور افریقہ کے متعدد ممالک میں سینکڑوں مساجد تعمیر کروائے اور ایسا انتظام کرے کہ احمدی مؤذن پانچ وقت ان مساجد سے آواز آذان بلند کرتے ہوئے یہ اعلان کرتے کہ:۔

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ
اللّٰهِ۔

پھر انگریز ہی کو یہ توفیق بھی نصیب ہوئی کہ افریقہ میں تیزی سے پھیلتا ہوا عیسائیت کا سیلاب رک کر کھڑا ہو جائیے اور جماعت احمدیہ کے مبلغین کو ایک بنیان مرصوص کی طرح اس سیلاب کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جانے کا اذن دے۔ یہی نہیں بلکہ انگریز کے اشارہ پر جماعت احمدیہ کے مجاہدین اس سیلاب کا منہ توڑ دیں اور رخ پھیر کر سمٹنے پر مجبور کر دیں۔ جہاں دس افریقن عیسائیت قبول کرتے تھے وہاں ایک رہ جائیے جہاں دس افریقن مسلمان مرتد ہوتے تھے وہاں اس کے بجائے دس عیسائی مشرف باسلام ہونے لگیں۔

واہ! کیا توفیق پائی ہے انگریز نے خدمتِ اسلام کی۔ واللہ کیا توفیق پائی ہے۔ مولانا کے بیان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریز کا محکمہ جاسوسی مشرف باسلام ہو چکا ہے اور اپنے تابڑ توڑ حملے عیسائیت پر کر رہا ہے کہ دنیائے عیسائیت چلا اٹھی ہے۔

مولانا احمدیہ لٹریچر کے وسیع وعمیق مطالعہ سے مستفید ہو چکے ہیں۔ اس لئے مندرجہ بالا تمام امور سے بخوبی واقف ہی ہوں گے۔ البتہ یادداشت تازہ کرنے کی خاطر عیسائی اخبارات کے بعض اقتباسات پیش ہیں جو جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں بکثرت نقل ہو چکے ہیں۔ امریکن رسالہ "لائف" نے لکھا:۔

"اسلام کے بعض دوسرے فرقوں میں بھی زندگی اور قوت کے آثار دن بدن نمایاں ہو رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ پیش پیش ایک نیا فرقہ ہے جو جماعت احمدیہ کے نام سے موسوم ہے اس کا صدر مقام پاکستان میں ہے اور یورپ، افریقہ، امریکہ اور مشرق بعید کے ممالک میں اس کے باقاعدہ تبلیغی مشن قائم ہیں .... آجکل عیسائی مشنری اور مسلمان مبلغ ایک دوسرے کے بالمقابل اپنے اپنے مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ حالت یہ ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے ایک شخص کے مقابلہ میں دس حبشی اسلام قبول کرتے ہیں۔"

(لائف ۵۔ راگست ۱۹۵۹ء)

ایک امریکن پادری Jack Mandelsohn نے

اپنی کتاب God, Allah & Juju میں لکھا:۔

"میں متعدد بار اس بات کا ذکر کر چکا ہوں کہ اسلام کی روز افزوں ترقی میں احمدیت کے اثرات اس طرح داخل ہوئے ہیں کہ گویا یہ تانے بانے میں داخل ہیں۔ یہ بات بغیر تردد کے کہی جا سکتی ہے کہ احمدیہ جماعت سب سے زیادہ کام کرنے والی اور سب سے زیادہ وسیع اسلامی جماعت ہے جو کہ افریقہ میں کام کر رہی ہے۔"

الحاج عبدالوہاب صاحب عسکری عراقی نمائندہ موتمر اسلامی جماعت احمدیہ کی تبلیغی مساعی پر ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:۔

"جماعت احمدیہ کے افراد نے دین اسلام کی جو خدمات سرانجام دی ہیں ان میں تبلیغی لحاظ سے وہ ساری دنیا پر فوقیت حاصل کر چکے ہیں۔ یہ لوگ اعلائے کلمۃ الدین کے لئے ہر قسم کے ممکن ذرائع [illegible] کرتے ہیں ان کے بڑے بڑے کارناموں میں .... وہ مسجدیں ہیں جو انہوں نے امریکہ، افریقہ اور یورپ کے مختلف شہروں میں بنائی ہیں اور یہی وہ سنت ناطقہ ہے جس کو لئے گروہ کھڑے ہوئے ہیں اور اس کے ذریعہ سے اسلامی خدمات بجا لاتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا درخشندہ مستقبل انہیں سے وابستہ ہے۔"

(مشاہداتی فی سماء الشرق ۔ ص۲۳۴، ۲۵۵)

اخبار "الفتح" قاہرہ لکھتا ہے:۔

"میں نے دیکھا ہے کہ قادیانی تحریک ایک حیرت انگیز چیز ہے۔ قادیانیوں نے تقریری اور تحریری طور پر مختلف زبانوں میں اپنی آواز بلند کی ہے ...... ایشیا اور یورپ، امریکہ اور افریقہ میں ان کے تبلیغی مراکز قائم ہو گئے ہیں جو ہر طرح سے منظمی اور عملی طور پر عیسائیوں کے مشنوں کے ہم پلہ ہیں لیکن تاثیر اور کامیابی کی رو سے ان میں اور مسیحیوں میں کچھ نسبت نہیں کیونکہ قادیانی، اسلامی حقائق اور حکمتوں کی وجہ سے عیسائیوں سے بدرجہا زیادہ کامیاب ہیں"

(الفتح قاہرہ ۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ)

اخبار الجزیرہ اردن لکھتا ہے:۔

"ہم اس بات کا اعتراف کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے مبلغین بڑی ہمت اور تندہی سے اپنا کام کرتے رہے اور اسلام کے پھیلانے کے لئے بہت جدوجہد کر رہے ہیں۔ افریقہ کے غیر آباد علاقوں اور وسط افریقہ اور امریکہ میں ان کی کوششیں اور بھی زیادہ ہیں۔"

(اخبار الجزیرہ ۔ عمان ۔ اردن ۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء)

مثلاً مرزائے وقت لاہور لکھتا ہے :-

"اگر تقریباً ہر ملک میں اگر کوئی پاکستانی جماعت
.... بطور مشنری کام کر رہی ہے
تو وہ جماعت احمدیہ ہے ۔"

(نوائے وقت ۔ ۱۲ اپریل ۱۹۶۰ء)

یہ تو تھا "انگریز کے محکمہ جاسوسی کی ذیلی شاخ" کی عالمگیر سرگرمیوں کا وہ حال جو ہم جانتے ہیں اور جس سے دنیا روشناس ہے اب مولانا کا فرض ہے کہ ان جاسوسی سرگرمیوں کا کچھ حال بیان فرمائیں جو تمام دنیا میں جماعت احمدیہ نے بقول ان کے سرانجام دیں لیکن ایک مرتبہ پھر مودبانہ گزارش یہ ہے کہ مولانا بیٹھے بیٹھے اپنے زرخیز دماغ سے کہانیاں گھڑ گھڑ کر پیش نہ کریں ۔ ایسے ٹھوس دلائل اور یقینی ثبوت کے ساتھ بات کریں کہ عام سیدھی سادھی عقل انسانی انہیں قبول کر سکے ۔

اب مولانا کے اس الزام کے دوسرے حصہ پر نظر فرمائیے ۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ عالمگیر تبلیغی نظام انگریز کے ایماء پر جاری ہوا تھا تو بے چارے غریب احمدیوں سے مالی مطالبات کیوں کئے گئے ۔ اچھی جاسوسی ہے کہ جان جوکھوں میں ڈال کر خدمتیں کرو اور پیسے بھی اپنی جیب سے خرچ کرو ۔ بھوکے رہو ۔ تکلیفیں اٹھاؤ ۔ سادہ زندگی اختیار کرو ۔ تعیش کی زندگی کو خیرباد کہو ۔ سینما بینی اور تھیٹر سے توبہ کرو ۔ ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالو ۔ بیوی بچوں کا پیٹ کاٹو ۔ زیورات اور گوٹہ کناری کے کپڑے بنانا چھوڑ دو ۔ غرضیکہ پیسہ پیسہ بچا کر اس غرض سے پیش کرو کہ "انگریز کے محکمہ جاسوسی کی ذیلی شاخ" دنیا میں نشوونما پائے ؟ عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔ مولانا کے اس طرز فکر پہ یہ اس قدر لغو تصور ہے کہ خود مولانا صاحب کی توجہ بھی اس

طرف منتقل ہو گئی اور سوچا کہ ہیں آخر اس الجھن کا کیا حل پیش کروں ۔ ظاہر ہے کہ جھوٹ سے پیدا شدہ الجھن کا حل جھوٹ ہی سے ہو سکتا ہے جھوٹ تو بہرحال جھوٹا ہی رہے گا ۔ چنانچہ مولانا نے اس مسئلہ کا حل یہ تجویز فرمایا کہ انگریز نے جماعت احمدیہ کو روپیہ مہیا کیا جماعت فلسطین کی معرفت ۔ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ انگریز نے براہ راست یا یہود کی معرفت جماعت احمدیہ فلسطین کی وساطت سے قادیان یہ روپیہ بھجوایا ۔ یہ خود مولانا ہی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے ۔ فرماتے ہیں :-

"سب سے زیادہ رقم فلسطین کی
قادیانی جماعت نے مہیا کی ۔"

یہاں اہم ترین سوال یہ ہے کہ یہ خطیر رقم جو فلسطین سے خلیفہ قادیان کو وصول ہوئی کہاں سے آئی اور کس نے مہیا کی ؟ کیا یہ رقم ان معدودے چند افراد نے مہیا کر دی تھی جو اسلام سے مرتد ہو کر قادیانی امت میں شامل ہو گئے تھے ؟ کیا ان کی مالی حیثیت اس قدر مستحکم تھی کہ وہ اپنے علاقے میں وسیع اخراجات برداشت کرنے کے بعد ایک بہت بڑی رقم خلیفہ قادیان کی خدمت میں نذر کر دیتے ؟ جو شخص واقعات کو عقل و فہم کی میزان میں تولنے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ اس کا جواب نفی میں دے گا ۔

مولانا نے یہ تو بتا دیا کہ "سب سے زیادہ رقم فلسطین کی قادیانی جماعت نے مہیا کی" اور یہ بھی فرما دیا کہ یہ رقم "خطیر" تھی اتنی خطیر کہ فلسطین کی غریب جماعت اپنے وسائل سے ادا نہ کر سکتی تھی اب جاسوسی کا صرف یہ مرحلہ رہ گیا کہ یہ رقم تھی کتنی ؟ اس کا حل تلاش کرنے کے لئے جو راہ انہوں نے اختیار کی ہے وہ تنوع میں اپنا جواب نہیں رکھتی ۔

عدلیس ابابا والی گپ تو مولانا صاحب نے جملہ معترضہ کے طور
پر فرمائی تھی۔ جیسے دو لقموں کے درمیان کسی خوش خور کا
ڈکار ہو۔ اصل مقصد تو فلسطین کے بجٹ کی تعیین تھی چنانچہ
اس موضوع کی طرف واپس لوٹتے ہوئے مولانا صاحب اپنے
تجسس کا یہ شاہکار کارنامہ ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں:۔

"۳۵ کروڑ روپے سالانہ تو صرف حبشہ
کے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے لئے
صرف کئے گئے اب غور کیا جا سکتا ہے
فلسطین کی تباہی و بربادی کے لئے
قادیان کا کتنا سالانہ بجٹ بنا ہوگا۔
اور یہ ساری رقم کہاں سے آئی؟"

مگر یہ ڈرامائی انکشاف مولانا صاحب کسی بین الاقوامی جلسوں یا
کانفرنس میں پیش فرماتے تو یقیناً تالیوں کی آواز سے سارا ہال گونج
اٹھتا۔ یہ الگ بات ہے کہ تالیوں کی آواز بالآخر قہقہوں کے
بلند تر شور میں ڈوب جاتی۔ سمجھ نہیں آتی کہ مولانا تمسخر
فرما رہے ہیں یا تمسخر ان سے سرزد ہو رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ مولانا صاحب کے نزدیک جماعت احمدیہ
فلسطین کا سالانہ بجٹ عدلیس ابابا کے بجٹ سے کہیں
زیادہ ہوگا۔ اس بات کی تعیین مولانا نے پڑھنے والے پر
چھوڑ دی ہے کہ کتنا زیادہ ہوگا۔ ایک بات تو بہرحال ثابت
ہو گئی وہ خطیر رقم جو ۱۹۳۴ء-۳۵ء میں خلیفہ قادیان کی خدمت
میں پیش کی گئی۔ ۳۵ کروڑ سے کہیں زیادہ تھی اور تیس سال
میں تو یہ کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہوگی۔ اگر کہیں زیادہ تھا تو
پچیس کروڑ سالانہ سے تو کسی صورت میں کم نہ ہوگی۔ کاش
مولانا کو توفیق ملے کہ وہ فلسطینی مسلمانوں کے کسی اجتماع میں یہ
عظیم انکشاف فرما سکیں۔ پھر دیکھیں کہ وہ مولانا کو کیا سمجھتے ہیں۔

یہ پچاس کروڑ روپے اگر ہر سال اتنا ہی رہے تو تیس
سال میں پندرہ ارب روپیہ بنتا ہے یہ کتنے احمدی مبلغوں نے
کس کس طرح خرچ کیا اور اس سے فلسطین کی اقتصادیات پر
کیا کیا اثرات مرتب ہوئے یہ داستان چونکہ صرف مولانا صاحب
کو معلوم ہے اس لئے وہی اپنی کسی آئندہ تصنیف میں پیش
فرمائیں گے۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید
کے اعلان کے بعد جماعت حیفا (فلسطین) کا چندہ -/۱۴۸ شلنگ
تھا جو تقریباً تین صد روپے بنتا ہے اور اس میں سے نقد
ادائیگی -/۸۵ شلنگ تھی۔ تحریک جدید کے شائع شدہ لٹریچر
میں یہ اعداد و شمار محفوظ ہیں۔ مدرسہ احمدیہ کبابیر کی جماعت کے بچوں کا
چندہ بھی شامل کر لینا چاہیئے یہ زر خطیر مبلغ آٹھ شلنگ تھا۔
اس کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت امام جماعت احمدیہ
نے فرمایا:۔

"بیرونی ممالک میں سب سے پہلے حیفا
(فلسطین) کے احمدیوں نے تحریک جدید پر
لبیک کہا اور نہ صرف چندہ کے وعدے
بھجوائے بلکہ ان کا ایک حصہ نقد بھی
بھجوایا چنانچہ شروع فروری ۱۹۳۵ء
تک جماعت حیفا کی طرف سے ۱۴۸
شلنگ کے جو وعدے وصول ہوئے تھے
میں سے پچاسی شلنگ کی رقم بھی پہنچ گئی
علاوہ ازیں مدرسہ احمدیہ کبابیر (حیفا)
کے احمدی بچوں نے بھی آٹھ شلنگ چندہ
بھجوایا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رض
نے جماعت احمدیہ حیفا کے افراد خصوصاً
حیفا کے احمدی بچوں کے اس اخلاص

محمد قربانی کی بہت تعریف فرمائی اور دعا دی کہ "اللہ تعالیٰ ان بچوں کے اخلاص کو قبول کرے اور دنیا میں چمکنے والے ستارے بنائے کہ ان کی روشنی سے فلسطین ہی نہیں بلکہ سب دنیا روشن ہو اور یہ احمدیت کی تعلیم پر صحیح طور پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والے اور دوسروں کو خدا تعالیٰ کے قریب لانے والے ہوں۔ یہ بھی یوسف کے بھائیوں کی طرح بضاعۃ مزجاۃ لائے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے بھی وہی سلوک کرے اور انہیں اسلام کا یوسفِ گم گشتہ ملا دے جسے یہ اپنے یعقوب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس لا کر اپنی قوم کی گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی کر سکیں۔"

(الفضل ۷ فروری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳-۴)

مولانا صاحب کے معیار مماثلت کی رو سے شاید ان دونوں اعداد و شمار میں کوئی خاص فرق نہ ہو لیکن ایک عام حساب دان کے نزدیک اصل بجٹ یعنی چار صد کچھ روپے اور مولانا کے فرضی بجٹ یعنی "تقریباً" پچاس کروڑ روپے میں فرق ۴۹ کروڑ ۹۹ لاکھ ۹۹ ہزار چھ صد کچھ روپے کا بنتا ہے۔ اندازہ فرمائیے کہ تیس سالوں میں یہ فرق کتنا بڑھ چکا ہوگا۔

یہ سراسر فرضی بجٹ بنانے کے بعد جس میں ۵ کروڑ روپے سالانہ سے بھی زیادہ جھوٹ بولا گیا ہے، ایک مزید جھوٹ بولنا بھی لازمی تھا۔ کہ صرف ایک مبلغ تو اتنی خطیر رقم خرچ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے مبلغین کی تعداد بھی بڑھانی لازمی تھا۔ چنانچہ معین تعداد دیئے بغیر مولانا یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ بھاری تعداد میں جماعت احمدیہ کے مبلغین ۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۴۸ء تک فلسطین میں کام کرتے رہے۔ فرماتے ہیں:۔

"دوسرا اہم ترین سوال یہ ہے کہ ان تیس سالوں میں (۱۹۱۷ء - ۱۹۴۸ء) قادیانیت کا تبلیغی زور اس خطہ پر کیوں مرتکز رہا اور قادیانی سرگرمیوں کا یہی سب سے بڑا اڈہ کیوں بنا رہا جس کے نتیجہ میں فلسطینیوں کی خانہ ویرانی اور اسرائیلی سٹیٹ کا قیام عمل میں آیا۔ اور پھر چن چن کر وہاں قادیان کے سازشی دماغوں کو کیوں جمع کیا جاتا رہا؟"

مولانا! اہم ترین سوال دراصل یہ ہے کہ کیا آپ کا مذہب اسلام نہیں ہے اور کیا آپ جھوٹ کو شیر مادر کی طرح حلال جانتے ہیں؟۔ نہ تو ۱۹۱۷ء میں جماعت کا کوئی مشن فلسطین میں قائم ہوا نہ اس خطہ میں جماعت احمدیہ کا کوئی تبلیغی زور مرتکز رہا۔ نہ فلسطین جماعت احمدیہ کی عالمگیر تبلیغی "سرگرمیوں" کا سب سے بڑا اڈہ بنا رہا۔ نہ قادیان میں کوئی سازشی دماغ تھے نہ کبھی ان کو چن چن کر فلسطین میں جمع کیا گیا اور اسرائیل کے قیام سے جماعت احمدیہ کا تعلق تو درکنار جماعت احمدیہ کی تمام تر کوششیں تو بیشتر فلسطینی مسلمانوں کے حق میں اور یہودی غاصبانہ قبضہ کے خلاف رہی ہیں۔ کیا آپ ادنیٰ سا بھی خدا کا خوف نہیں رکھتے کہ اسلام کا سچا

اور مقدس نام سے کر افترا پردازی اور جھوٹ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہو؟

۱۹۴۸ء میں ربوہ اور اسرائیل کا رابطہ

یہ مختصر رسالہ جو بارشاد مولانا محمد یوسف صاحب میو زمانہ شائع ہوا ہے۔ "جھوٹ کا ایک اُمڈا ہوا دریا ہے جو اس چھوٹے سے کوزہ میں بند ہے۔ جھوٹ کے ساتھ جھوٹ، پیوستہ لہریں مارتا ہوا بے تکان رواں دواں ہے۔ اس مبلغ میں کم ہی ایسی مایہ ناز تصانیف شائع ہوئی ہونگی جن میں اس بے ساختگی کے ساتھ جھوٹ بولے گئے ہوں۔

اسرائیل کو قائم کرنے کے بعد اور ربوہ کے چھوٹے سے قصبہ کو پاکستان کے عین قلب میں ایک آزاد مطلق العنان ریاست قرار دینے کے بعد اب لازم ہے کہ دونوں "ریاستوں" کے تعلقات بھی قائم کئے جائیں۔ چنانچہ وہ تعلقات مولانا اس طرح پر قائم فرماتے ہیں۔ لکھا ہے :-

"ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۴۸ء میں فلسطین میں "اسرائیل" کا اعلان ہوا ٹھیک انہی دنوں میں قادیانی گروہ کی "ربوہ سٹیٹ" قائم ہوئی اور سب سے پہلے ربوہ سٹیٹ کا اسرائیلی سٹیٹ سے رابطہ قائم کیا گیا۔"

(ربوہ سے تل ابیب تک ص۲)

اس کے بعد مکرم محترم چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سابق وزیر خارجہ پاکستان پر الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۴ء تک پاکستان کا وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ خان قادیانی رہا ...... اس کے عہد وزارت میں ربوہ سٹیٹ کا اسرائیل سے رابطہ مستحکم ہوا۔"

دراصل یہ دونوں الزام ایک ہی جھوٹ کی دو شاخیں ہیں کیونکہ نہ تو کبھی "ربوہ سٹیٹ" کا قیام عمل میں آیا نہ کبھی ربوہ سٹیٹ کا اسرائیل سے رابطہ قائم ہوا۔ نہ کبھی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے کسی بھی حیثیت میں کبھی اسرائیل کے ساتھ خود رابطہ پیدا کیا نہ اور کسی کا رابطہ کروایا۔

لیکن مولانا صاحب کا یہ جھوٹ صرف جماعت احمدیہ کے خلاف افترا پردازی تک محدود نہیں بلکہ پاکستان حضرت بانی پاکستان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ایک ناپاک حملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان کی تاریخ مسخ کر دیتی ہے۔ اس الزام کو اگر درست تسلیم کیا جائے تو ماننا پڑیگا کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ بانئ پاکستان نعوذ باللہ اس حد تک پاکستان کے دشمن تھے کہ ایک غدار کو اپنا معتمد وزیر خارجہ بنایا۔ وہ نعوذ باللہ اس حد تک یہود نواز تھے کہ اس غدار کو فلسطین کی حمایت میں اقوام متحدہ کے سامنے عربوں کا معاملہ پیش کرنے پر مامور کیا تاکہ یہودیوں کے ایجنٹ کے طور پر فلسطینی مسلمانوں کے مفاد کو سبوتاژ کرے۔ پھر وہ نعوذ باللہ اس حد تک پاکستان دشمن اور بھارت نواز تھے کہ اس غدار کے سپرد مسئلہ کشمیر کیا تا کہ پاکستانیوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر بھارت کے ہاتھ مضبوط کرے۔ پھر وہ نعوذ باللہ اس حد تک پاکستان سے عناد رکھتے تھے کہ صرف اسرائیل کی امداد کو مسلمانوں کی غارت گری کے لئے کافی نہ سمجھا بلکہ جب تک پاکستان کے عین قلب میں ایک آزاد مطلق العنان "یہودی نواز ریاست" قائم نہ کر لی اس وقت تک اس دنیا سے رخصت نہ ہوئے مگر افسوس کہ ان کے مخلص

سے بھی پاکستان اور اہل اسلام کو کوئی فائدہ نہ پہنچا اور اس کے بعد بھی قائد ملت لیاقت علی خان ، خواجہ ناظم الدین اور دیگر مسلم لیگی رہنما مسلسل اس ملک دشمن اور اسلام دشمن پالیسی پر گامزن رہے اور ریاست کو مضبوط تر کرنے میں کسی دہشت سے پیچھے نہ رہے اور اسی کی حمایت میں بدستور ظفر اللہ خان کو وزیر خارجہ بنائے رکھا اور کھلی دوری چھوڑ دی کہ عالم اسلام کے خلاف خوفناک سازشیں کرتے رہیں۔

مولانا کے اعتراض کو ذرا پلٹ کر جب اس پہلو سے دیکھیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بھارت کا کوئی ایجنٹ پاکستان کی تاریخ کو مسخ کرنے اور معمار پاکستان کے بے داغ کردار کو داغدار کرنے کے لئے یہ شاطرانہ چالیں چل رہا ہے کہ بظاہر تیروں کا رخ جماعت احمدیہ کی طرف ہے لیکن درحقیقت ان تیروں سے پاکستان کا سینہ چھلنی ہو رہا ہے۔

ہم بحیثیت پاکستانی شہری اس مکروہ الزام تراشی کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہوئے حکومت کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ سنجیدگی سے اس صورت حال کا جائزہ لے اور ان اشتہارات پر بھی نظر ڈالے جو ۱۹۷۴ء کی احمدیہ دشمن تحریک کے ہنگامہ خیز دنوں میں پاکستان کے مختلف اخبارات میں شائع ہوتے رہے اور جن میں جناب بنوری صاحب کے پراسرار مالی امدادیات کے ساتھ ان کے روابط پر سے پردہ اٹھایا گیا تھا۔ اب یہ شرافت سے بعید ہے کہ بغیر تحقیق کے کسی الزام کو تسلیم کر لیا جائے لہٰذا ہمارا یہ موقف نہیں کہ بلا تحقیق ان الزامات کو مان لیا جائے۔ ایک مسلمان تو عام انسانی قدروں سے بہت بلند ہوتا ہے اس لئے ہم ہرگز الزامات کو بغیر تحقیق تسلیم کرنے کے حق میں نہیں لیکن جبکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مولانا بنوری احمدیہ دشمنی کے پردے میں پاکستان اور بانی پاکستان پر نہایت سنگین اور ناپاک حملے کر رہے ہیں تو کم از کم اراکین حکومت پر یہ فرض ضرور عائد ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے ماضی کی اچھی طرح چھان بین کریں۔

جہاں تک جماعت احمدیہ اور چوہدری ظفر اللہ خان کے خلاف اس الزام تراشی کے پس منظر کا تعلق ہے اس بارہ میں ہم ۱۹۵۳ء کی انکوائری رپورٹ کے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں جو صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ ۱۹۵۳ء میں بھی یہ تحریک مذہبی نہیں بلکہ سیاسی نوعیت کی تھی اور اس کی باگ ڈور اس وقت بھی ان طاقتوں کے ہاتھ میں تھی جو کبھی بھی پاکستان کی خیرخواہ نہیں رہیں۔

حوالہ جات رپورٹ تحقیقاتی عدالت

(۱) "احرار کے رویہ کے متعلق ہم نرم الفاظ استعمال کرنے سے قاصر ہیں ان کا طرز عمل بطور خاص مکروہ اور قابل نفرین تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے ایک دنیاوی مقصد کے لئے ایک مذہبی مسئلہ کو استعمال کر کے اس مسئلہ کی توہین کی۔"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۷۴)

(۲) "چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات سرانجام دیں اس کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک

"ناشکرے پن کا بین ثبوت ہے"

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۵۹)

معلوم ہوتا ہے کہ سمندر کے پانی کی طرح اس رسالہ کے جھوٹ، مصنف کی پیاس بجھانے کی بجائے بھڑکاتے چلے جاتے ہیں اور ھَلْ مِنْ مَزِید کا نہ ختم ہونے والا مطالبہ جاری ہے۔ اس سراسر جھوٹی کہانی میں جھوٹ کے مزید رنگ بھرتے ہوئے مولانا پُراسرار انکشاف فرماتے ہیں کہ "ربوہ سٹیٹ" اور اسرائیل سٹیٹ کے درمیان جب باقاعدہ تعلق قائم ہوا تو ابتداء میں اسے صیغہ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی لیکن بالآخر جب یہ راز طشت از بام ہوا تو متضاد تاویلیں کی جانے لگیں۔

اس افتراء پر ہماری ایک مرتبہ پھر یہی گزارش ہے کہ نہ تو ربوہ سٹیٹ کا کوئی وجود ہے نہ ربوہ کی طرف سے کسی بھی حیثیت میں کبھی اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کیے گئے۔ ہاں احمدیہ تبلیغی مشن فلسطین میں ۱۹۲۸ء سے قائم ہے جبکہ اسرائیل کا ابھی کوئی وجود ہی نہ تھا۔ یہ تبلیغی مشن فلسطین میں اسی طرح قائم ہوا جیسے تمام دنیا کے متعدد دوسرے ممالک میں تبلیغی مشن قائم ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ غیر مسلموں میں تبلیغ ان مشنوں کا طرّۂ امتیاز ہے۔ اور ہمیں قرآن و حدیث کی کوئی ایسی سند نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ دنیا کے سب اہل مذاہب کو تبلیغ کرنے کی اجازت ہے سوائے یہود کے۔ اور اگر کوئی یہود کو تبلیغ کرنے کے لئے مبلغ مقرر کرے گا تو یہ گویا اسلام اور مسلمانوں سے غداری کے مترادف ہوگا۔ مولانا صاحب نے اپنے لئے اسوہ خدا جانے کس کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے لئے تو اسوۂ حسنہ صرف اور صرف سید ولد آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہم اسی اسوہ پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی اسوہ پر چلنے کی کوشش کرتے رہیں گے خواہ کسی کو کیسا ہی غیظ و غضب کیوں نہ آئے۔ پس جہاں تک ہمیں تاریخ اسلام کا علم ہے حضرت اقدس سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہود میں بھی تبلیغ اسلام فرماتے اور ان کو بھی دین اسلام کی طرف بلانے کے لئے ویسا ہی درد اور جذبہ رکھتے تھے جس طرح دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لئے۔ یہود کی مسلسل دشمنی اور ایذا رسانی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں حائل نہ ہوئی اور کسی موقع پر بھی آپؐ نے انتقاماً یہود میں تبلیغ اسلام کا کام بند نہیں فرمایا۔ پس جناب مولانا شورش کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم تو اس امام عالی مقامؐ کے پیچھے ہیں اور اسی کی غلامی کا دم بھرتے ہیں۔ کیا ہم نے جناب مولانا صاحب کے اسوہ کو اپنایا ہے کہ اس کی پیروی کا ہم پر الزام دھرا جا رہا ہے۔ آپ چاہیں تو شوق سے تبلیغ کی صف ہی لپیٹ دیں اور نہ یہود کو اسلام کی طرف بلائیں نہ ہندوؤں کو نہ عیسائیوں کو نہ یہود کو۔ اپنا مشغلہ بے شک کافر گری تک ہی محدود رکھیں۔ آپ کا دین آپ کو مبارک ہو لیکن ہمیں آپ اسوۂ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے کسی قیمت پر باز نہیں رکھ سکتے۔ اگر اس مقدس اسوہ کی پیروی میں ادیانِ باطلہ کو اسلام کی طرف بلانے کی جدوجہد کا نام ایجنسی ہے تو ہمیں یہ ایجنسی ہی دل و جان سے عزیز ہے اور سوال صرف یہود کی ایجنسی کا نہیں۔ ایک جماعت احمدیہ کے مبلغین تو شرقاً غرباً سب دنیا میں کام کر رہے ہیں۔ کر چکے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ جب تک غلبہ اسلامی معیار کی رو سے ہم عالمگیر تبلیغ اسلام کے نتیجہ میں دنیا کے ہر مذہب

کے ایجنٹ بنتے ہیں۔

فلسطین کا مشن ۱۹۲۸ء میں علی الاعلان قائم ہوا اور اسی دن سے جماعت احمدیہ کے لٹریچر اور اخبارات میں اس کی مساعی کا ذکر چھپ رہا ہے۔ کبھی بھی اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ نہ یہ کوئی چھپانے والی بات تھی یہ سراسر جھوٹ ہے کہ ابتداء میں اسے صیغہ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔ جب اس علاقہ میں یہودی غاصبانہ حکومت قائم ہوئی تو اس کے بعد بھی یہ مشن قائم رہا لیکن اس کی تبلیغی نوعیت میں ایک شعشہ بھر فرق نہیں آیا۔ صرف اسرائیل ہی نہیں بیسیوں ایسے خطے ہیں جہاں مدتوں سے احمدی تبلیغی مشن قائم ہیں۔ ایسے خطوں میں بارہا سیاسی تبدیلیاں واقع ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں لیکن ہمارے مشن حسب دستور ان تبدیلیوں سے بے نیاز اعلائے کلمۃ الاسلام میں مصروف رہتے ہیں یہ ہے خلاصہ حقیقت حال کا۔ اس سچائی کو آپ جس طرح چاہیں توڑ موڑ کر پیش کرنے کی کوشش کریں۔ جتنے جھوٹ کے سیاہ پردے اس پر ڈالنے کی کوشش کریں۔ پھونکوں سے جس قدر چاہیں اسے بجھانے کی کوشش کر دیکھیں۔ یہ شمع حقیقت کی تو اپنی ہی جگہ پر رہے گی اور مخالفانہ کوششوں کے باوجود اس کا نور تاریک دنیاؤں تک اسلام کا نور پہنچاتا ہی رہے گا کوئی نہیں جو اس نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا سکے۔

انکشاف اور تاویلیں

اس بارہ میں پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کا یہ مشن ۱۹۲۸ء سے ہی ظاہر و باہر ہیں اور ان کا سلسلہ کے لٹریچر اخبارات اور خلفائے وقت کی تقاریر میں بکثرت ذکر ملتا ہے۔ مولانا نے جو اپنی عظیم جاسوسی کارروائی دکھائی ہے اس کا کوئی وجود نہیں اگر مولانا اس غلط بیانی پر مصر ہیں تو ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس صورت حال کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں کہ کس طرح باوجود اس کے کہ جماعت کے لٹریچر میں اسرائیلی مشن کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ مولانا اسے کس حیرت انگیز جاسوسی طریق پر منکشف کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کس ذریعے نے ان کو اطلاع دی اور کب پہلی بار ان کی طرف سے اس راز پر سے پردہ اٹھایا گیا۔ وغیرہ وغیرہ نیز اس صورت حال پر بھی ذرا روشنی ڈال دیں کہ جب وہ خود یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ فلسطین میں تبلیغی مشن ۱۹۲۸ء سے قائم ہے تو ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے ساتھ نیا رابطہ پیدا کرنے سے ان کی کیا مراد ہے؟ اسی سابقہ مشن کا نیا نام انھوں نے سیاسی رابطہ رکھا ہے یا کوئی نیا سفارتی مشن وہاں قائم کیا گیا۔ پھر کن کن سفیروں کا آپس میں تبادلہ ہوا اور حکومت پاکستان نے کب اور کیسے اس کی اجازت دی۔ کہانی کے یہ سارے پہلو ابھی آپ کے زرخیز تصورات کے منتظر ہیں۔

تاویلوں والا قصہ بھی رابطہ والے قصہ کی طرح سراسر بے بنیاد ہے۔ جماعت احمدیہ کی تبلیغی کوششوں کے ذکر میں خود جماعت احمدیہ کے لٹریچر میں اسرائیل کا نام پڑھ کر جب بعض دشمنان احمدیت نے اعتراض کیا تو جماعت کی طرف سے صورت حال کی وقتاً فوقتاً جو وضاحت کی جاتی رہی وہ ایک غیر مبدل حقیقت ہے جس میں کسی تبدیلی یا تاویل کا نہ سوال پیدا ہوتا ہے نہ اس کی ضرورت ہے۔ اس جواب کے حسب ذیل پہلو ہیں :۔

(۱) مشن ۱۹۲۸ء میں فلسطین میں قائم کیا گیا تھا جبکہ اسرائیل کا ابھی کوئی وجود نہ تھا۔

(۲) اس مشن کا سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا نہ ہے۔

نہ ہوگا۔

(۳) اگرچہ تحریک جدید کے عالمگیر بجٹ میں اس کا ذکر ملتا ہے لیکن جہاں تک پاکستان کے روپیے کا تعلق ہے ایک پیسہ بھی پاکستانی چندہ سے اس پر خرچ نہیں کیا گیا نہ ہی کبھی حکومت پاکستان سے اس کے لئے تبدیلیٔ زر کی درخواست کی گئی۔

(۴) یہ تبلیغی مشن ہمیشہ فلسطین کے مسلمانوں کے حق میں کام کرتا رہا ہے اور ان کے لئے طاقت اور سہارے کا موجب رہا ہے نہ کہ دشمنی اور نقصان کا۔

ربوہ سٹیٹ اور اسرائیل کے مابین فوجی تعاون

جھوٹ کو اپنے منتہا و تک پہنچاتے ہوئے اور سنسنی خیزی کے گزشتہ تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے مولانا یہ تہلکہ انگیز انکشاف فرماتے ہیں کہ ربوہ اور اسرائیل کے مابین باقاعدہ فوجی تعاون بھی موجود ہے۔ اس تعاون کی پہلی اطلاع مولانا صاحب کو نوائے وقت لاہور کی ۲۹ ستمبر ۱۹۷۵ء کی اشاعت کے ذریعہ ملی جس میں مبینہ طور پر "لندن سے شائع ہونے والی کتاب "اسرائیل اے پروفائیل" کے حوالے سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ " ۱۹۷۲ء تک اسرائیلی فوج میں چھ سو پاکستانی قادیانی شامل ہو چکے تھے۔

نوائے وقت کے اس انکشاف سے قبل جماعت اسلامی کے ہفت روزہ "ظاہر" لاہور ۲۲ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء میں جماعت اسلامی ہی کے ایک رہنما مولانا ظفر احمد صاحب انصاری کا انٹرویو اس موضوع پر شائع ہو چکا تھا۔

چنانچہ نجدی صاحب اپنے دعویٰ کی تائید میں نوائے وقت کی مندرجہ بالا "خبر" کے بعد انصاری صاحب کا وہ انٹرویو بھی نقل کرتے ہیں۔

اس افتراء پردازی کے جواب میں ایک مرتبہ پھر لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کہنے کے بعد ہم پہلے تو یہ گزارش کرتے ہیں کہ باوجود انتہائی کوشش کے تا حال مبینہ کتاب کا کوئی نسخہ ہمیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لئے پہلا غالب گمان تو یہ ہے کہ "الفضل" کے اس پرچہ کی طرح جو کبھی شائع ہی نہیں ہوا۔ جناب نجدی صاحب نے اپنی جادوگری سے اس غیر شائع شدہ پرچہ میں سے بھی ایک اقتباس وضع فرما لیا تھا۔ بعید نہیں کہ یہ کتاب بھی کبھی شائع نہ ہوئی ہو۔ پھر یہ بھی بعید نہیں کہ اگر یہ کتاب شائع ہوئی ہو تو اس کے مصنف آئی ٹی نعمانی صاحب جماعت اسلامی ہی کے کوئی ایجنٹ ثابت ہوں یا جماعت اسلامی کے کوئی غیر یہود کے ایجنٹ نکلیں۔ ہم محض بدظنی سے کام نہیں لے رہے بلکہ ایسے قرائن موجود ہیں جن سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ان قرائن کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ فی الوقت اس الزام کی حیثیت کا جائزہ لیتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ یہ الزام خود اپنے جھوٹے ہونے کی اندرونی شہادتیں رکھتا ہے لہٰذا قطع نظر اس کے کہ یہ کتاب کبھی شائع بھی ہوئی یا نہیں یا شائع ہوئی تو کس قسم کے ہیرو کی طرف سے، یہ الزام سراسر باطل اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے۔

اوّل:- سب سے پہلے تو ہم اس تضاد کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جو نوائے وقت کی خبر اور مولانا انصاری صاحب کے بیانات میں ہے۔ نوائے وقت اس مفروضہ کتاب کی طرف یہ بیان منسوب کرتا ہے کہ:-

" ۱۹۷۲ء تک اسرائیلی فوج میں چھ سو

پاکستانی قادیانی شامل ہو چکے ہیں۔"

انصاری صاحب اس کتاب کا مضمون حسب ذیل الفاظ میں پیش کرتے ہیں:۔

"۱۹۷۲ء تک اسرائیل میں موجودہ
احمدیوں کی تعداد چھ سو تھی جن پر
اسرائیلی فوج میں خدمت کے دروازے
کھول دیئے گئے۔"

پہلے بیان کی رو سے چھ سو پاکستانی احمدی ۱۹۷۲ء تک اسرائیلی فوج میں شمولیت بھی اختیار کر چکے تھے اور دوسرے بیان کی رو سے اس تاریخ تک اسرائیل میں موجود کل احمدیوں کی تعداد چھ سو تھی جن پر خدمت کے دروازے کھول دیئے گئے تھے۔ ان "خدمت کے دروازوں" سے کوئی داخل ہوا یا نہیں اس کا ذکر نہیں ملتا۔ یہ احمدی کس قوم سے تعلق رکھتے تھے اس کے متعلق مولانا بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سارے کتاب کے دعوی کے مطابق پاکستانی احمدی تھے۔

ان دونوں بیانات کا تضاد بھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر دونوں نہیں تو دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے۔ جھوٹا کون ہے پہلے اس کا فیصلہ مدیر نوائے وقت اور انصاری صاحب آپس میں کر لیں اور کوئی نیا "متفق علیہ بیان" جاری فرمائیں تو پھر ہم اس نئے اصلاح شدہ بیان کا جائزہ بھی لے لیں گے۔

دوئم: دونوں نے کتاب کی طرف یہ دعوی منسوب کیا ہے کہ کم از کم چھ سو پاکستانی احمدی ۱۹۷۲ء تک اسرائیل میں موجود تھے۔ اگر یہ کل تعداد نہیں بلکہ صرف پاکستانی فوجیوں کی تعداد ہے جیسا کہ نوائے وقت کا دعوی ہے تو اسرائیل میں کل پاکستانی احمدیوں کی تعداد عام اندازے کے مطابق اس سے دس گنا یعنی تقریباً چھ ہزار تو ضرور ہونی چاہیئے

ہم صرف یہ آسان سا مطالبہ کرتے ہیں کہ نوائے وقت اگر اس فرضی کتاب کے فرضی بیان کو درست تسلیم کرتا ہے تو اس جھوٹ کو ہزار پر تقسیم کر کے صرف چھ احمدی پاکستانیوں کا ہی اسرائیل میں ہونا ثابت کر دے تو ہم یہ مان لیں گے کہ اس بیان میں صداقت کا کوئی دور کا شائبہ بھی موجود ہے۔ اسی طرح جناب انصاری صاحب اپنے مفروضہ کو ۱۰۰ پر تقسیم کر کے چھ پاکستانی احمدیوں کی اسرائیل میں موجودگی دکھا دیں تو ہم اس کم از کم سو گنا جھوٹ کو نظر انداز کر دیں گے۔ یہی نہیں ہم ایک قدم آگے بڑھ کر یہ فراخدلانہ پیشکش بھی کرتے ہیں کہ نوائے وقت اپنے جھوٹ کو چھ ہزار پر اور مولانا صاحب چھ سو پر تقسیم کر کے کسی ایک پاکستانی احمدی کی شمولیت بھی اسرائیلی فوج میں ثابت کریں تو ہم تسلیم کر لیں گے کہ ان دونوں میں صداقت کا کوئی ذرہ ابھی باقی ہے۔ بنوری صاحب سے ہماری گزارش یہ ہے کہ اس جھوٹ کو سچ کر دکھانے میں ان دونوں کی مدد فرمائیں کیونکہ آپ کے ماہرانہ مشورہ کی ان کو یقیناً ضرورت محسوس ہوگی۔ ایک نام اور صرف ایک نام ایسے پاکستانی احمدی کا شائع فرما دیں جس نے اسرائیلی فوج میں شمولیت اختیار کی ہو۔ جہاں تک فلسطینی احمدیوں کا تعلق ہے ان کی شمولیت کا تو نہ آپ کو دعوی ہے نہ اس مفروضہ کتاب میں کوئی ایسا ذکر بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوئم: سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ چھ سو یا چھ ہزار پاکستانی کب اور کیسے اسرائیل پہنچے اور حکومت پاکستان کو ان کا علم کیوں نہیں ہوا؟ اگر ہوا تو اس بارہ میں کارروائی نہ کر کے کیوں مسلمانانِ عرب کے مفاد کو نظر انداز کیا گیا۔ اس مجرمانہ

پر اکتفا کرتے ہوئے اس فیصلہ کو قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ یہود کا اصل ایجنٹ کون ہے؟

مغربی جرمنی میں چار ہزار احمدیوں کی گوریلا تربیت

اخبار نوائے وقت اور جماعت اسلامی کی معرفت

"... ۶ پاکستانی احمدیوں کو اسرائیلی فوجی بنانے کے بعد اب بنوری صاحب نے چٹان اور حضرت مولانا تاج محمود صاحب کی معرفت اس طرح کا ایک اور شعبدہ دکھاتے ہوئے یہ انکشاف کیا ہے کہ مغربی جرمنی میں ... ۴ احمدی اس لئے گوریلا تربیت حاصل کر رہے ہیں کہ پاکستان میں کوئی عجمی اسرائیل قائم کیا جائے"

اس الزام تراشی کے وقت جناب بنوری صاحب یا تاج محمود صاحب نے یہ تکلیف بھی نہ فرمائی کہ ۴۰۰۰ گوریلا ثابت کرنے کے لئے کسی ذریعہ خبر کا حوالہ ہی دے دیں۔ گویا کسی مولانا کا محض بیان ہی ایک کافی و شافی ثبوت اس بات کا ہے کہ متعلقہ خبر درست ہے۔ قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کہ اس قسم کے مولویوں سے کسی کو پالا پڑے تو کوئی کیا کرے۔ مولانا نے اس امر کی تحقیق ہی نہ فرمائی کہ پاکستانی اور غیر پاکستانی سب مل کر مغربی جرمنی میں چار ہزار احمدی ہیں بھی کہ نہیں مگر اس بحث سے قطع نظر کر دیا جائے کہ چار ہزار احمدی ہیں یا چار صد؟ اصل مطالبہ تو ہمارا یہ ہے کہ کسی ایک احمدی کا بھی جرمنی میں گوریلا ٹریننگ حاصل کرنے کا ثبوت دے کر اپنی شرافت کا ثبوت بہم پہنچائیں۔

مقصد اس ٹریننگ کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ پاکستان کو عجمی اسرائیل میں تبدیل کیا جائے۔ گویا مغربی جرمنی پاکستان کی سالمیت کو تباہ کرنے کے لئے بطور اڈہ کے کام کر رہا ہے۔ پہلے بھی بارہا توجہ دلائی جا چکی ہے کہ احمدیت پر حملہ کرتے وقت یہ بھی سوچ لینا چاہیئے کہ یہ وار کہیں غلط جگہ تو نہیں پڑ رہا۔ ذرا غور فرمایئے کہ اگر مولانا کا یہ اعتراض درست ہے تو مغربی جرمنی اور پاکستان کے تعلقات پر اس کا کیا اثر پڑنا چاہیئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مولانا صاحب کے پاس اس الزام کا کوئی خفیہ ثبوت موجود تھا تو انہوں نے کیوں حکومت پاکستان کی خدمت میں پیش نہیں کیا اور کیوں حکومت پاکستان نے حکومت مغربی جرمنی سے اس خطرناک معاندانہ حرکت اور مداخلت پر شدید احتجاج نہیں کیا۔ اگر مولانا نے اس ثبوت کو اپنی ذاتی خفیہ ملکیت سمجھ رکھا ہے تو تعجب حکومت پر ہے کہ اس سنگین الزام تراشی کو کیوں برداشت کر رہی ہے اور کیوں مولانا صاحب سے ثبوت فراہم کرنے کی باضابطہ کارروائی نہیں کی جاتی؟

مسیحی رہنما صوبہ خان کا بیان احمدیوں کے حق میں

اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۰ پر مولانا صاحب نے کسی مسیحی لیڈر صوبہ خان کے کسی بیان کا ایک اقتباس پیش کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ عیسائی احمدیوں کے ساتھ ہیں اور احمدیوں کے تحفظ میں اپنی "طاقت کی حد تک" حمایت کرنا ضروری فرض سمجھتے ہیں۔

یہاں اتنی بڑی بڑی افترا پردازیوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کی افترا پردازیوں پر بحث بے مزہ سی بات نظر آئے گی لیکن اس افتراء کی اہمیت بھی

ضرور قارئین کو معلوم ہونی چاہیئے۔

صوبہ خان صاحب کا بیان کس حد تک احمدی دوستی پر مبنی ہے اس کا اندازہ اُن کے بیان کے حسب ذیل اصل الفاظ سے ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں کہ مولانا کا پیش کردہ مفہوم اس بیان کے مفہوم کے بالکل برعکس ہے تعجب اس لئے نہیں کہ مولانا کا قلم پراگندگی کے ایسے ایسے نظارے ہمیں دکھا چکا ہے کہ اب ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر طبیعت تعجب کی زحمت گوارا نہیں کرتی۔ مزید تبصرہ کے بغیر صوبہ خان صاحب کا اصل بیان پیش ہے:۔

"لاہور ۲۷ ستمبر (امن رپورٹ)
پاکستان نیشنل کرسچین لیگ کے صدر
صوبہ خان نے خبردار کیا ہے کہ اگر ملکی
سالمیت کے تحفظ کے لئے قادیانی
اقلیتی فرقہ کی کڑی نگرانی نہ کی گئی
اور انہیں غیر مسلم مخصوص اقلیت کے
علیحدہ حقوق کا راستہ متعین کر کے ساڑھے
لاکھ کی بھاری محب وطن اہل کتاب
مسیحی اقلیت کے حقوق و مفادات کا
عملی تحفظ نہ کیا گیا تو ملک کی بنیادیں
ہل جائیں گی اور قادیانی فرقہ کو اقلیت
قرار دینے کی پاداش میں پاکستان کی
مسلم اکثریت کو اپنی خوش فہمی کا
خمیازہ بھگتنا پڑے گا......... مسیحی
رہنما نے دنیا کے تمام مسیحی ممالک کے
سربراہوں سے بھی اپیل کی ہے کہ وہ
اپنے عقیدے کا احترام کریں یسوع
مسیح کے خلاف مرزائیوں کے توہین آمیز
لٹریچر کو فوراً ضبط کریں اور روکیں
رہیں۔"

(روزنامہ امن کراچی - ۲۹ ستمبر ۱۹۷۴ء)

ربوہ سٹیٹ کا جاسوسی نظام

مولانا صاحب اپنے رسالہ کے آخر پہ "ربوہ سٹیٹ کے "جاسوسی نظام" سے پردہ اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے تو مولانا مبینہ طور پر حکومت پاکستان کے کسی گشتی مراسلہ کا مفہوم پیش فرماتے ہیں جو مولانا کے بیان کے مطابق حکومت کے اعلیٰ افسران کے نام ۱۹۵۷ء میں جاری کیا گیا تھا۔ جو مفہوم اپنی زبان میں مولانا نے پیش فرمایا ہے اس کی رُو سے حکومت پاکستان کو یہ "معتبر" اطلاع ملی تھی کہ :۔

"ربوہ کی احمدیہ جماعت نے کوئی الیا
خبر رسانی کا عملہ ملازم رکھا ہے جو
ایسی سرکاری اور غیر سرکاری اطلاعات
فراہم کرے گا جو احمدیہ فرقہ کے مفاد
میں ہوں گی۔"

مولانا صاحب کے بیان کے مطابق حکومت نے ان معلومات کی وضاحت بھی کی جن میں جماعت احمدیہ ربوہ کو دلچسپی تھی اور وہ حسب ذیل ہیں:۔

"حکومت نے بتایا ہے کہ احمدیہ
جماعت کے لئے یہ عملہ عام طور پر جو
معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔
ان میں ربوہ کی احمدیہ جماعت کے
باغیوں کی جن کا نام حقیقت پسند پارٹی

ہے۔ سرگرمیاں مجلس تحفظ ختم نبوت
اور جماعت اسلامی کی سرگرمیوں کا
پتہ چلانا شامل ہے۔"

اس مبینہ بیان کو اگر من وعن تسلیم کر لیا جائے (جو گزشتہ تلخ تجربہ کی رو سے ذرا مشکل کام ہے) تو بھی اس کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ ۱۹۵۷ء میں حکومت کو بعض ذرائع سے یہ خبر پہنچی کہ جماعت احمدیہ ایسی خبریں معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے جو اس کے مفاد سے متعلق ہیں اور اس کے دشمنوں کی مخالفانہ کوششوں اور تدابیر سے اسے باخبر رکھیں چنانچہ اس غرض سے چند آدمی بھی جماعت نے ملازم رکھے ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا صاحب کے بیان کے مطابق حکومت کو بعض ذرائع سے یہ اطلاع بھی پہنچائی گئی کہ احمدی افسران ریٹائرڈ ہوں یا غیر ریٹائرڈ معلومات مہیا کرنے میں اس احمدی عملہ کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔

اس بنیاد پر جناب مولانا صاحب جو جاسوسی کی حیرت انگیز فلک بوس عمارت تعمیر فرماتے ہیں وہ انہی کے الفاظ میں پیش ہے:—

"اب میں یہ مفروضہ پیش کرتا ہوں
جو محض مفروضہ نہیں بلکہ بڑی حد
تک حقائق وواقعات کی صحیح تصویر
ہے —— کہ قادیانیوں کی عالمی
تحریک جس کا ہیڈ کوارٹر ربوہ ہے
اور جس کا ہر فرد ایک واجب الاطاعت
"خلیفہ" کے ماتحت کام کرتا ہے۔
یورپ، یہودیت اور ہندوستان کا
آلۂ کار اور جاسوس ہے ——
فرض کیجئے۔ پاکستانی فوجی اور دفاعی
راز قادیانی شاخ کے ذریعہ ——
جو ہندوستان میں ہے ——
انڈونیشیا پہنچائے جاتے ہیں عالم
اسلام کی رپورٹ مرکز لندن کی وساطت
سے استعماری طاقتوں کو مہیا کی جاتی
ہے مشرق وسطی کے خفیہ راز اسرائیلی
مرکز کے ذریعہ صیہونیوں کو بھیجے جاتے
ہیں اور خلافت ربوہ کا یہ محکمہ
اطلاعات تمام اسلام دشمن طاقتوں
کی خدمت کے لئے وقف ہے سوال
یہ ہے کہ کیا عالم اسلام نے قادیانیوں
کی جاسوسی اور خفیہ سازشوں سے
تحفظ کا کوئی انتظام کیا ہے؟ اور
کیا اس وقت تک اس کی ضرورت
بھی کسی کے گوشۂ ذہن میں آئی ہے؟"
(ربوہ سے تل ابیب تک۔ صفحہ ۲)

اگر مولانا صاحب اپنے اس جاسوسی انکشاف کا نام "مفروضہ" ہی رہنے دیتے تو ہمیں اس پر کسی تعرض کی ضرورت نہ تھی مگر اسی سانس میں اس "مفروضہ" کو "بڑی حد تک حقائق وواقعات کی صحیح تصویر" قرار دے کر مولانا نے ہمیں اس مفروضہ کا نوٹس لینے پر بھی مجبور کر دیا ہے۔ تعجب ہے کہ وہ حقائق وواقعات جن کی یہ تصویر ہے مولانا حکومت کے علم میں کیوں نہیں لاتے کون کون سے احمدی جاسوس کیا کیا اہم راز ہندوستان، انڈونیشیا، انگلستان اور اسرائیل پہنچا رہے ہیں اور ان سے

عالم اسلام کو کیا کیا نقصانات پہنچے۔ یہ اہم حقائق ایسے تو نہیں کہ مولانا صاحب کے سینہ میں ہی مدفون اس دنیا سے گزر جائیں ان کو تو باقاعدہ حکومت کے سامنے پیش کر کے معاملہ کی تحقیق کروانی چاہیئے تاکہ جاسوسی کے ثابت شدہ مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے لیکن کوئی ایسی حقیقت ہو تو پیش ہو۔

مولانا صاحب کا پیش کردہ مفروضہ ایک ایسا لغو اور لچر قصہ ہے کہ کوئی معمولی عقل کا آدمی بھی اسے قبول نہیں کر سکتا۔ قبول کرنا تو درکنار اسے قابل غور سمجھنا بھی عقل انسانی کی اہانت ہے۔ ذرا اندازہ فرمایئے کہ پاکستان کے فوجی راز انڈونیشیا پہنچانے کا تصور کیسا انوکھا اور منفرد ہے اور وہ بھی براہ راست نہیں بلکہ ہندوستان کے راستے مجھے اس واقعہ پر پھر وہ اشتہار یاد آگیا جو ۱۹۷۴ء میں پاکستان کے اردو و انگریزی اخبارات میں شائع ہوتا رہا۔ اور جس میں یہ تاثر دیا گیا تھا کہ پاکستان میں مذہبی منافرت پیدا کرنے اور اس ملک میں فساد پھیلانے کے لئے مولانا ہندوستان کے اشارے پر کام کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں حکومت نے اس بارہ میں کسی تحقیق کی ضرورت سمجھی یا نہیں لیکن غیر ارادی طور پر مولانا کے تصور نے پاکستان کے راز باہر بھجوانے کے لئے جو ہندوستان کا راستہ اختیار کیا ہے یہ خالی از معنی نہیں۔ سب دنیا کے کھلے راستے چھوڑ کر ہندوستان کے بند راستے کو اختیار کرنے کا خیال جہاں انوکھا ہے وہاں معنی خیز بھی ہے۔ ایک عام پاکستانی تو یہ وہم بھی نہیں کر سکتا کہ انڈونیشیا خبریں بھیجنے کے لئے نئی دہلی کا راستہ ضروری ہے یہ تصور تو کسی ایسے ذہن کی پیداوار ہے جس کے لئے یہ راستہ آسان تر ہو اور جس کا پہلے سے رابطہ قائم ہو۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ آخر کیوں مولانا کبھی تو مغربی جرمنی اور پاکستان کے تعلقات خراب کرنے کے لئے ایک شوشہ چھوڑتے ہیں اور کبھی انڈونیشیا کی عظیم اسلامی مملکت سے پاکستان کو بدظن کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ کیا انڈونیشیا کا یہی کام رہ گیا ہے کہ پاکستانی احمدیوں سے ہندوستان کی معرفت پاکستان کے فوجی راز ہی مہیا کرتا رہے اور کوئی مشغلہ ہی نہیں۔ جہاں مولانا صاحب نے ایسے عظیم اور حیرت انگیز انکشافات فرمائے ہیں وہاں کاش یہ بھی دریافت فرمایا جاتا کہ عقل کس جانور کا نام ہے۔ یا تو احمدیت کی دشمنی میں بیچارے بالکل ہی بہک گئے ہیں یا پھر دو اسلامی مملکتوں میں بدظنی پیدا کرنے کی یہ کوشش بالارادہ اور معنی خیز ہے۔ کون ان کے پیچھے ہے اور کیوں؟ یہ دریافت کرنا حکومت وقت کا کام ہے۔

آخر پر ہم مولانا صاحب سے اتنا پوچھنے کا حق ضرور رکھتے ہیں کہ آپ کا خود اپنے شعبہ جاسوسی کے بارہ میں کیا خیال ہے جس کا جال ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور جو پاتال کی خبر لاتا ہے۔ یہ شعبہ کس بیرونی طاقت کے اشارے پر کام کر رہا ہے؟ وہی اشتہار والی بات ہے یا کوئی اور؟ آپ کے شعبہ جاسوسی کے مقابل پر تو روئے زمین پر کوئی اور جاسوسی نظام نہیں۔ آپ کو عدلیس ابابا کے بارہ میں وہ معلومات حاصل ہوئیں جن کی خود عدلیس ابابا کو علم نہیں۔ آپ کو پاکستان میں ایک ایسی آزاد ریاست کی خبر ہوئی جس کی خود حکومت پاکستان کو خبر نہیں۔ آپ پر مغربی جرمنی کے متعلق ایسے انکشافات ہوئے جن سے خود جرمنی بے خبر ہے۔ آپ کو ۱۹۱۴ء میں قائم ہونے والے جماعت احمدیہ کے ایسے مشنوں کا پتہ ہے جن کا جماعت احمدیہ کو کچھ پتہ

نہیں۔ آپ کو ایسے اخبارات کے اقتباسات یاد ہیں جو کبھی شائع نہیں ہوئے۔ ایسی کتب کے مضامین جانتے ہیں جو کبھی لکھی نہیں گئیں۔ آپ انڈونیشیا کے بارہ میں وہ کچھ جانتے ہیں جو انڈونیشین غریب نہیں جانتے۔ آپ کو فلسطین کے بارہ میں ایسے حقائق معلوم ہیں جن سے فلسطینی لاعلم ہیں۔ آپ کو مسئلہ فلسطین میں عربوں کے موقف سے ظفر اللہ خان کی غداری کی وہ وہ باتیں معلوم ہیں جن کی عربوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ جماعت احمدیہ کے امام کی ایسی عرب دشمن سازشوں کا علم آپ رکھتے ہیں جو عربوں پر روشن نہ ہو سکا۔

اب اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے حضرت امام جماعتِ احمدیہ اور چوہدری ظفر اللہ خان کے بارے میں بعض عرب اخبارات کے تبصرے ہدیۃً آپ کی خدمت میں پیش کر کے ہم اجازت چاہیں گے۔ ان تبصروں کے مطالعہ سے ایک معمولی فہم کے آدمی پر بھی یہ روشن ہو جائے گا کہ مسئلہ فلسطین سے متعلق امام جماعت احمدیہ اور چوہدری ظفر اللہ خان کی مساعی کے بارہ میں عرب شرفاء کی کیا رائے تھی۔

حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جب "اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ" کے عنوان سے ایک معرکۃ الآراء مضمون تحریر فرمایا جس میں مسلمانانِ عالم کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہو کر اسرائیلی فتنہ کی سرکوبی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کی تلقین کی گئی تھی تو شامی ریڈیو نے خاص اہتمام سے اس کا خلاصہ نشر کر کے اسے دنیائے عرب کے کونے کونے تک پھیلا دیا اور متعدد عربی اخبارات نے اس پر شاندار الفاظ میں تبصرے کئے۔ بطور نمونہ چند ایک اقتباس درج ہیں:-

اخبار "النہضۃ" نے مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۴۸ء زیرِ عنوان "مطبوعات" لکھا:-

"اهدانا السيد ميرزا محمود احمد كرّاسة "صغيرة" تحتوي على الخطاب الّذي القاه في لاهور باكستان يدعو فيها المسلمين الى الاتّحاد والعمل الحاسم لانقاذ فلسطين من الصهيونية المجرمين كما انه يهيب بابناء الباكستان البررة ان يبادروا الى مساعدة عرب فلسطين بالمال و يذكّرهم بالرسول الكريم (ص) مستشهدًا بآيات شريفة يحضّ فيها المسلمين ان يقفوا صفًا واحدًا امام سيل الصهيونيّة المجرمة التي تؤيّدها كلّ من امريكا وروسيا الشيوعية لمصالح وغايات في نفسهما ويدعوهم ان لا يتواكلوا وان يضعوا نصب اعينهم ما يمليه عليهم الواجب من الجهاد في سبيل الاسلام والمسلمين وهي خطبة جيّدة ودعاية

حسنة لفلسطين والمسلمين
ندعو الله ان يحقق آمالنا
وامانية العذب في
سبيل ديننا القويم والله
من وراء القصد۔

(تاریخ احمدیت جلد ۱۲ - صفحہ ۱۹۱)

ترجمہ: ہمیں ایک ٹریکٹ موصول ہوا ہے
جو السید مرزا محمود احمد صاحب کے
ایک خطبہ پر مشتمل ہے جو انہوں نے
لاہور (پاکستان) میں دیا ہے اس خطبہ
میں خطیب نے تمام مسلمانوں کو دعوت
اتحاد دی ہے اور صیہونی مجرموں کے
چنگل سے فلسطین کو نجات دلانے
کے لئے ٹھوس اور موثر اقدام کی طرف
توجہ دلائی ہے نیز اہل پاکستان سے
مطالبہ کیا ہے کہ وہ فلسطینی عربوں
کی فوری اعانت کریں اور مسلمانوں کو
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد
دلاتے اور آیات قرآنی سے استشہاد
کرتے ہوئے ترغیب دی ہے کہ وہ
مجرم صیہونیوں کے سیلاب کا مقابلہ
کرنے کے لئے صف بستہ ہو جائیں
جن کی پشت پناہی امریکہ اور اشتراکی
روس اپنی مصالح اور اغراض کے
ماتحت کر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو توجہ
دلائی کہ وہ ضعف و اضمحلال کا اظہار
نہ کریں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی
کے لئے جہاد کے سلسلہ میں عائد شدہ
ذمہ واری اپنے سامنے رکھیں۔
یہ ایک نہایت عمدہ خطبہ اور فلسطین
اور مسلمانوں کے حق میں نہایت اچھا
پروپیگنڈا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو
ہیں کہ وہ ہماری ان نیک آرزوؤں
اور عمدہ خواہشات کو جو ہمارے دین
قویم کے لئے ہمارے دلوں میں موجزن
ہیں متحقق فرمائے۔ آمین!

اخبار "الشورٰی" (بغداد) نے اپنے ۱۸ر جون ۱۹۴۸ء
کے پرچہ میں ایک عربی نوٹ لکھا جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"حضرت مرزا محمود احمد صاحب کا ایک خطبہ

ہمیں ایک ٹریکٹ ملا ہے جو لاہور میں
چھپا ہے جس میں حضرت مرزا محمود احمد
امام جماعت احمدیہ قادیان کے ایک
پرجوش خطبہ کا ذکر کیا گیا ہے جو انہوں
نے نام نہاد اسرائیلی حکومت کی تشکیل
کے اعلان کے بعد لاہور (پاکستان)
میں پڑھا۔ اس خطبہ کا عنوان ہے
"الكفر ملة واحدة"
جن اصحاب نے یہ مفید ٹریکٹ شائع
کیا ہے ہم ان کی اسلامی غیرت اور
اسلامی مساعی پر شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

(تاریخ احمدیت جلد ۱۲ - صفحہ ۱۹۳)

اس مضمون کا جو گہرا اور نیک اثر مسلمانانِ عرب پر پڑا انہیں منانے اور مسلمانوں کی توجہ فلسطین سے ہٹا کر اندرونی افتراق کی طرف مبذول کرنے کے لیئے استعماری طاقتوں نے جو حربہ اختیار کیا اس کا ذکر بھی یہاں دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ اس موضوع پر ہم مشہور کہنہ مشق ادیب اور صحافی الاستاذ علی الخیاط آفندی کا ایک مضمون نقل کرتے ہیں جو بغداد کے مشہور اخبار الانباء ۱۲ ستمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔ استاذ آفندی المحترم کا پورا عربی مقالہ ماہنامہ الفرقان دسمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہو چکا ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ :۔

"غیر ملکی طاقتیں جماعت احمدیہ کی مخالفت کی آگ بھڑکا رہی ہیں۔

گزشتہ دنوں بعض اخبارات نے قادیانی جماعت کے خلاف ... در پے ایسی صورت میں نکتہ چینی کی ہے کہ جس کی طرف انسان کو توجہ کرنی پڑتی ہے۔

قادیانیت کیا ہے اور اخبارات میں اس کے متعلق اس طرح نکتہ چینی کرنے کی کیا وجہ ہے۔

قادیانیوں اور ان کے مخالفین کے درمیان ایک مشکل درپیش ہے قطع نظر اس کے کہ وہ اتہامات جو قادیانیوں پر لگائے گئے ہیں وہ درست ہیں یا غلط ہیں۔ قادیانی لوگ اپنے آپ کو جماعت احمدیہ کہتے ہیں وہ مرزا غلام احمد صاحب کے پیرو ہونے کے مدعی ہیں جو ہندوستان میں قادیان کی بستی میں رہتے تھے اور جنہیں ان کے دعوؤں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا تھا کہ دین اسلام کو مستحکم کریں۔ قادیانی انہیں وہی مہدی موعود اور مسیح معہود سمجھتے ہیں جن کے آخری زمانے میں آنے کے متعلق مختلف مذہبی کتابوں میں پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ قادیانی اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہیں اور اسلام کے لئے غیرت رکھتے ہیں اور وہ حنفی مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

احمدیوں کے مخالف انہیں قادیانی کے لفظ سے پکارتے ہیں اور ان کے ظاہری طور پر اسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے اور شریعت کے مطابق دینی فرائض ادا کرنے کے باوجود انہیں مرتد قرار دیتے ہیں۔

احمدیت یا قادیانیت کوئی آج نئی پیدا نہیں ہوئی بلکہ قریباً ستر سال پہلے ہندوستان کے شہر قادیان میں اس کی بنیاد رکھی گئی اور جو لوگ اس طریقہ کو درست سمجھتے تھے انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق اس کی پیروی کی۔

ہمارے نزدیک خواہ یہ طریقہ درست ہو یا باطل ہو خواہ یہ لوگ مسلمان ہوں یا اسلام سے خارج ہوں بہر کیف اخبارات

کے لئے کوئی معقول وجہ اس امر کی نہیں
ہے کہ وہ اس نازک وقت میں جبکہ
مسلمانوں کو ہر طرف سے خطرات
کا مقابلہ کرنے کے لئے اتحاد اور یکجہتی
کی ضرورت ہے اس طرز پر قادیانیت
کو اپنی تنقید کا ہدف بنائیں۔
شاید قارئین کو تعجب ہوگا کہ جب
انہیں یہ معلوم ہوگا کہ سارے عراق میں
اس جماعت کے صرف ۱۸ خاندان
بستے ہیں۔ ۹ خاندان تعداد میں ۱۲ نفوس
ہیں۔ ۴ صحابیہ میں اور ایک خاندان
خانقین میں ہے اور سب لوگ ہندوستان
سے عراق تجارت کی نیت سے آئے
تھے بعض نے ان میں سے عراقی قومیت
کے سرٹیفکیٹ حاصل کرلئے ہیں اور بعض
اپنی ہندوستانی قومیت پر قائم رہے
جسے انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کے
بعد پاکستانی قومیت میں تبدیل کر لیا۔
عراق میں اتنے عرصہ سے رہنے کے
باوجود انہوں نے کسی عراقی شخص کو
اپنی جماعت میں داخل نہیں کیا۔ ان کا
کوئی معبد نہیں ہے اور نہ ہی ان کے
کوئی خاص مذہبی اجتماعات ہیں۔ ان
کی ساری جدوجہد بعض اخبارات اور
ایسے ٹریکٹ تقسیم کرنے پر منحصر ہے
جس میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دلائل
دیئے گئے ہیں یا فلسطین اور بعض اسلامی
حکومتوں کے دفاع پر گفتگو کی گئی ہے
اس جگہ پر پڑھنے والے کے دل میں
خیال پیدا ہوگا کہ جب واقعہ یہ ہے
تو اخبارات میں قادیانیت پر اس
طرح نکتہ چینی کرنے اور اس پر حملے
کی کیا وجہ ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ اس کا صرف
ایک سبب ہے اور وہ یہ کہ استعماری
طاقتیں مسلمانوں میں تفرقہ اور شقاق
پیدا کرنے کے لئے خاص کوشش کر رہی
ہیں اور وہ انہیں اپنی انگلیوں پر نچانا
چاہتی ہیں کیونکہ مسلمان ابھی تک
اس انتظار میں ہیں کہ وہ یوم موعود
کب آتا ہے کہ جب وہ دوبارہ بلاد
مقدسہ کو یہودیت کی لعنت سے پاک
کرنے کے لئے متحدہ قدم اٹھائیں گے
اور فلسطین اس کے جائز اور شرعی
حقداروں کو مل سکے گا۔ استعماری
طاقتیں ڈرتی ہیں کہ کہیں عربوں کا یہ
خواب پورا نہ ہو جائے اور اسرائیلی
سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ نہ جائے
جس کے قائم کرنے کے لئے انہوں نے
بڑی بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں۔
اس لئے یہ غیر ملکی حکومتیں ہمیشہ کوشش
کرتی ہیں کہ مسلمانوں میں مختلف فرقے

تاکہ مغائرت پیدا کی جائے اور یہ تین فرقے
احمدیوں کی تکفیر اور ان پر نکتہ چینی کرنے
کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ یہاں تک کہ اس
طریق سے حکومت پاکستان اور بعض دیگر
عرب حکومتوں میں بھی اختلاف پیدا ہو
جائے کیونکہ ابتداءً پاکستان کے وزیر
خارجہ ظفر اللہ خان احمدی کو کافر قرار دیتے
ہیں [illegible] سے پڑھنے
والوں کو یاد ہوگا کہ [illegible] پاکستان
کی بعض جماعتوں نے اس امر کی کوشش
کی تھی کہ مسلمان حکومتوں کا ایک اسلامی
بلاک قائم کیا جائے تا کہ ان کی [illegible]
اور ان کی آزادی قائم رہے اور ان کی
بیرونی سیاست ایک نہج پر چلے مگر یہ
کوششیں بعض دوسری مسلمان جماعتوں
کی مخالفت کی وجہ سے کامیاب نہ ہو
سکیں۔ اس تجویز کی ناکامی کے اسباب
میں درحقیقت بڑا سبب مسئلہ تکفیر
ہے جو بعض انتہا پسند مولویوں کے ہاتھ
میں استعماری طاقتوں نے دیا تھا کہ
وہ اس تجویز کے محرکین کو قادیانی اور
اسلام سے خارج کہہ کر اس کو ناکام بنانے
کی کوشش کریں۔

شاید کسی شخص کو یہ خیال پیدا ہو کہ
میرے اس معاملہ میں استعماری طاقتوں
کو دخل انداز قرار دینا محض ظن اور گمان
ہے مگر میں قارئین کرام کو پورے یقین
کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اس
لہر کی پوری پوری اطلاع ہے کہ درحقیقت
یہ سب کاروائی استعماری طاقتیں کروا
رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی گزشتہ جنگ
کے ایام میں ۱۹۴۸ء میں استعماری طاقتوں
نے خود مجھ کو اس معاملہ میں آلہ کار بنانے
کی کوشش کی تھی۔ ان دنوں میں ایک عراقی
پرچے کا ایڈیٹر تھا اور اس کا انداز
حکومت کے خلاف نکتہ چینی کا انداز
تھا چنانچہ انہی دنوں مجھے ایک غیر ملکی
حکومت کے ذمہ دار نمائندے مقیم
بغداد نے ملاقات کے لئے بلایا اور کچھ
چاپلوسی اور میرے انداز نکتہ چینی کی
تعریف کرنے کے بعد مجھے بتایا کہ آپ
اپنے اخبار میں قادیانی جماعت کے
خلاف زیادہ سے زیادہ دل آزار طریق
پر نکتہ چینی جاری کریں کیونکہ یہ جماعت
دین سے خارج ہے۔ میں نے جواب میں
عرض کی کہ مجھے اس جماعت اور اس کے
عقائد کا کچھ پتہ نہیں۔ میں ان پر کس طرح
نکتہ چینی کر سکتا ہوں؟ اس نمائندے
نے مجھے بعض ایسی کتابیں دیں جن میں
قادیانی عقائد پر بحث کی گئی تھی اور
اس نے مجھے بعض مضامین بھی دیئے تا وہ
مجھے مقالات لکھنے میں فائدہ دیں چنانچہ

ان کتابوں کے مطالعہ سے مجھے اس جماعت کے بعض عقائد کا علم ہوا لیکن میں نے ان میں کوئی ایسی بات نہ دیکھی جس سے میرے عقائد کے مطابق انھیں کافر قرار دیا جا سکے۔ اس استعماری نمائندہ سے چند ملاقاتوں کے بعد میں نے اس کام کے کرنے سے معذرت پیش کر دی اور کہا کہ میرے عقیدہ کے مطابق یہ طریق اس وقت اسلامی فرقوں میں اختلاف و انشقاق بڑھانے والا ہے اس شخص نے مجھ سے کہا کہ قادیانی تو مسلمان بھی نہیں اور ہندوستان کے تمام فرقوں کے علماء انھیں کافر قرار دے چکے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ ہندوستانی علماء کے اقوال قرآن مجید کی اس آیت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا کہ جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اس کو کافر مت کہو۔ میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ شخص غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی پروپیگنڈے نے تمہارے دل پر بھی اثر کر دیا ہے اور تو قادیانی بن گیا ہے اور اسلام سے خارج ہو گیا ہے۔ ابھی سے تو ان کی طرف سے جواب دے رہا ہے۔ میں نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ جناب یقین جانیں کہ میں اتنے لمبے عرصہ سے مسلمان کہلانے اور مسلمانوں میں رہنے کے باوجود یہ دعویٰ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کہ میں صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو کیا قادیانیت کے متعلق چند کتب کا مطالعہ مجھے قادیانی بنا سکتا ہے؟

میں ان دنوں اس سفارتخانے میں جایا کرتا تھا مجھے معلوم ہوا کہ میں اکیلا ہی اس کام کے لئے مقرر نہیں کیا جا رہا بلکہ کچھ اور لوگوں کو بھی اس میں شریک کیا جا رہا ہے پھر مجھے یہ پتہ لگا کہ اس کام کے کرنے سے صرف میں نے ہی انکار نہیں کیا بلکہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی استعماری آلہ کار بننے سے انکار کر دیا تھا یہ ان دنوں کی بات ہے جب ۱۹۴۸ء میں ارض مقدس کا ایک حصہ کاٹ کر صیہونی حکومت کے سپرد کر دیا گیا تھا اسرائیلی سلطنت قائم ہوئی تھی اور میرا خیال ہے کہ مذکورہ بالا سفارت خانے کا یہ اقدام درحقیقت ان دو ٹریکٹوں کا عملی جواب تھا جو تقسیم فلسطین کے موقع پر اسی سال جماعت احمدیہ نے شائع کئے تھے۔ ایک ٹریکٹ کا عنوان "هيئة الأمم المتحدة و قرار تقسيم فلسطين" تھا جس میں

مغربی استعماری طاقتوں اور صیہونیوں کی ان سازشوں کا انکشاف کیا گیا تھا جن میں فلسطینی سیندگی چھین کر یہودیوں کو سپرد کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا تھا دوسرا ٹریکٹ "الکفر ملّۃ واحدۃ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس میں مسلمانوں کو کامل اتحاد اور اتفاق رکھنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کا مجھے ان دنوں ذاتی طور پر علم ہوا تھا۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ جب تک احمدی لوگ مسلمانوں کی جماعتوں میں اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے اور جب تک وہ ان ذرائع کو اختیار کرنے کے لیے کوشاں رہیں گے جن سے استعماری طاقتوں کی پیدا کردہ حکومت اسرائیل کو ختم کرنے میں مدد مل سکے تب تک استعماری طاقتیں بعض لوگوں اور فرقوں کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گی کہ وہ احمدیوں کے خلاف ہر قسم کی نفرت انگیزی اور نکتہ چینی کرتے رہیں تاکہ مسلمانوں میں اتحاد نہ ہو سکے"

(الانباء (بغداد) ص ۲۲ مؤرخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۵۴ء بحوالہ الفرقان دسمبر ۱۹۵۴ء)

یہ مضمون جہاں بعض دلچسپ رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے وہاں بڑا عبرت انگیز بھی ہے۔ آخر کب تک سادہ لوح مسلمان عوام اسلام دشمن طاقتوں کے کذب و افترا کے جال میں پھنستے رہیں گے۔ کب تک غیر مسلم طاقتیں مسلمان عوام کے مذہبی جذبات سے کھیلتے ہوئے ان کے درمیان بغض و عناد اور بے اعتمادی کے بیج بوتی رہیں گی۔ کب تک مسلمان عوام ایک ہی بل سے بار بار ڈسے جاتے رہیں گے۔ کاش ۱۹۴۸ء میں کی جانے والی ان استعماری سازشوں کو ۱۹۵۳ء میں یاد رکھا جاتا اور کاش ۱۹۵۳ء کے فسادات پر منیر انکوائری رپورٹ کے اقتباسات ۱۹۷۴ء کے کام آ جاتے۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان اور دنیائے اسلام

اب ذرا چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی مبینہ "غداری" کی داستان مسلمان مشاہیر کی زبانی سنیئے بغرض اختصار چند حوالے درج ہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

مشہور مصری لیڈر مصطفےٰ مومن نے ایک اخباری بیان میں فرمایا:۔

"چوہدری ظفر اللہ خان اگرچہ پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں لیکن تمام دنیائے اسلام میں انہیں ایک قابل رشک پوزیشن حاصل ہے وہ مشرق وسطیٰ میں بالعموم اور مصر اور دیگر عرب ممالک میں بالخصوص چوٹی کے سیاستدان تسلیم کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے اقوام متحدہ میں تونس۔ مراکش۔ ایران اور مصر کی پرزور حمایت کر کے اسلام کی وہ خدمت سرانجام دی ہے جو دوسرے بڑے بڑے اکابرین سے بن نہ پڑی۔ جو شخص

چودھری صاحب موصوف کو متہم کرتا
اور آپ کی ذات والا صفات کو ہدف
ملامت بناتا ہے وہ دراصل ساری دنیائے
اسلام پر حملہ آور ہوتا ہے۔"

(یہ خبر سول - آفاق ، نوائے وقت ، مغربی
پاکستان وغیرہ اخبارات کی ۲۴-۲۵ مئی ۱۹۵۲ء
کی اشاعت میں اے پی پی کے حوالہ سے شائع ہوئی)

(ہفت روزہ رفتار زمانہ - ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

(۲) "قاہرہ - ۲۰ جون ۱۹۵۰ء - پاکستانی
لیبیا کے ایک وفد نے جو تین افراد پر
مشتمل تھا آج مصر میں متعینہ پاکستانی سفیر
حاجی عبدالستار سیٹھ سے ملاقات کی۔
اور لیبیا کی آزادی کے سلسلہ میں پاکستان
کے وزیر خارجہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان
نے جو [illegible] سرانجام دی ہیں ان کے
لئے پاکستان کا شکریہ ادا کیا۔ وفد نے کہا
پاکستان کے وزیر خارجہ نے نمایاں [illegible]
طریق سے اقوام متحدہ میں باشندگان لیبیا
کے جذبات کی ترجمانی کی یہ انہی کی کوشش
کا نتیجہ ہے کہ آج لیبیا آزادی کی منزل
کے بالکل قریب پہنچ چکا ہے۔ لیبیا
پاکستان اور اس کے [illegible] محترم وزیر
خارجہ کی خدمات کو کبھی بھی فراموش
نہیں کر سکتا۔ اس [illegible] وہ پاکستان
کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔"

یہ خبر ۲۱ جون ۱۹۵۰ء کے اخبارات میں
شائع ہوئی۔

(ہفت روزہ رفتار زمانہ لاہور - ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

(۳) "ظفر اللہ وہ شخصیت ہے جس نے عرب
ممالک کے معاملات کی ترجمانی کرنے میں
اپنا انتہائی زور صرف کر دیا۔ اس کا نام
عربوں کی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آب زر
سے لکھا جاتا رہیگا۔ آپ کا ضمیر نہایت بیدار ہے۔ آپ
کی گفتگو حجت و دلیل کی حامل ہوتی ہے آپ کے پیش نظر
تمام انسانیت کی سچی اور بے لوث بھلائی رہتی ہے۔"

(الایام - دمشق - ۲۴ فروری ۱۹۵۲ء)

(۴) "سر ظفر اللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی
کمیٹی میں سکتے کا عالم طاری ہو گیا
امریکہ، روس اور برطانیہ کی زبانیں گنگ ہو گئیں

لیک سکسیس - ۱۸ اکتوبر - رائٹر کا خاص نامہ
نگار اطلاع دیتا ہے کہ اقوام متحدہ کی کمیٹی
میں جو فلسطینی مسئلہ کو حل کرنے کے
لئے بیٹھی تھی کل پاکستانی مندوب سر
ظفر اللہ خان کی تقریر کے بعد ایک
پریشان کن تعطل پیدا ہو چکا ہے جس
تک امریکہ [illegible] روس کا اعلان کرنے
دیگر مندوبین اپنی زبان کھولنے کیلئے
تیار نہیں۔ امریکن نمائندہ جو اس دوران
میں ایک مرتبہ بھی بحث میں شریک نہیں
ہوا اس وقت یہ کہنے کے لئے آمادہ

اسرائیلی فتنے کا جنم

عنوان بالا سے مدیر المنیر لائلپور مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف نے اپنے رسالہ المنیر ڈائجسٹ بابت ماہ فروری ۱۹۷۶ء میں یہ مضمون شائع کیا ہے۔ قارئین اسے بغور مطالعہ فرمائیں۔ ہم اس مضمون کو حرف بحرف شائع کرکے آخر میں اپنا تبصرہ درج کر رہے ہیں۔

———— : ایڈیٹر

"۱۹۱۴-۱۸ء کی پہلی جنگ عظیم میں مغربی اتحادی (برطانیہ اور معتقدا) ہر محاذ پر جرمنوں کے ہاتھوں بری طرح پٹ رہے تھے روس نے بھی جرمنوں سے پے در پے شکست کھائی تھی۔ فرانس میں بھی جرمن فوجیں دندناتی گھس آئی تھیں معلوم ہوتا تھا کہ ترک روس کو ختم کر دیں گے۔ روس کے واسطے برطانیہ نے عراق۔ مصر، گیلی پولی اور فلسطین پر حملہ کر دیا تاکہ ترکوں کو اپنے علاقوں میں اپنی دفاع میں لڑنے کے لئے مجبور کر دیا جائے۔

برطانیہ کرنل لارنس اور فلبی جیسے شاطر اعلیٰ مبصرین کی مدد سے عربوں اور ترکوں کو الگ کرنے میں کامیاب ہو گیا اس نے عربوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان کی حکومت الگ کر دی جائے گی۔

گو ایشیا اور افریقہ میں برطانیہ اور روس کے اتحادی کامیاب تھے تاہم جرمنی کی طاقت برقرار تھی۔ جرمنی نے اپنی پشت کو مضبوط اور محفوظ کرنے کے لئے روس کے اندر ایسے ماہرین بھیج دیئے۔ جنہوں نے روسی عوام کو زار روس کے خلاف اکسا کر اس نئی اسی طرح انتشار پیدا کر دیا جس طرح برطانیہ نے عربوں میں انتشار پیدا کر دیا تھا۔ جرمنی کی اس معاندانہ شہ سے اس میں اشتراکی نظریہ پھیلے گا۔

برطانیہ نے اشتراکی دیانت کیسے کے لئے امریکہ سے مدد مانگی۔ اور امریکہ اپنی شرائط منوا کر جنگ میں کود پڑا یہودیوں کے متعلق اس نے اعلان کر دیا کہ وہ اسرائیلیوں (یہودیوں) کے لئے ایک علیحدہ وطن بنانا چاہتے تھے۔

۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو جو اعلان شائع ہوا۔ اس میں برطانیہ کی حکومت نے یک طرفہ وعدہ کیا تھا کہ وہ فلسطین میں یہودی وطن کے قیام کے لئے کوشش کرے گا۔

عربوں نے اور [illegible] مسلمان ممالک نے اس اعلان کے خلاف آواز اٹھائی۔ برطانیہ نے پروپیگنڈے کی لوری سے عربوں کو خاموش کر دیا جیسے گہری نیند سلا دیا۔

جنگ عظیم ختم ہوئی اور اتحادیوں نے فتح پائی۔ برطانیہ نے امریکی سپرویژن (SDPARWI SION) میں ترکی خلافت کے

علاقوں کے کئی ٹکڑے کر دیئے۔ عربوں نے ترکوں کیخلاف باغی ہوکر برطانوی فوج کو فاتح بنا دیا تھا۔ اس کے صلے میں حسین شریف مکہ کے تین بیٹوں کو عراق۔ شام اور اردن کا بادشاہ بنایا۔ مگر ان کی حیثیت ہمارے ہاں کے راجوں اور نوابوں سے زیادہ نہ تھی۔ ترکی کے عثمانی خلیفہ نے اپنے مفاد کی خاطر برطانیہ کا باجگذار حکمران بننا قبول کر لیا۔ اپنے خواب کی یوں تعبیر کر کے عرب کا شاہ اپنے آپ کو تمام عالم اسلام کا شہنشاہ تصور کرنے لگا۔ ترکی کی اسلامی حکومت عملاً ختم ہو چکی تھی۔ مسلمان انگریزوں کی وعدہ خلافی اور چالبازی پر ناراض تو ہو گئے مگر وہ مجبور اور معذور کر دیئے گئے تھے۔

عربوں کو یوں بے بس کرنے کے بعد برطانیہ اور امریکہ نے اپنا اصلی کام یعنی فلسطین میں یہودیوں کا وطن قائم کرنے کا راستہ ہموار کر دیا۔ اور مغرب کے تمام صیہونیوں (ZIONISTS) کو اس نئے وطن میں آنے کی دعوت دی۔

دریں اثنا ترکوں اور عربوں کو ہوش آ چکی تھی۔ ایک نوجوان ترک مصطفےٰ کمال پاشا نے اپنی ہمت اور قابلیت کی بنا پر اتحادی فوجوں کو دوبارہ شکست دے کر آزاد مملکت قائم کر دی تھی۔ عربوں نے شام اور عربستان کو انگریزوں کے تسلط سے پاک کر لیا تھا۔ عرب فوجیں میدانِ جنگ میں تو کامیاب تھیں لیکن سیاسی میدان میں فیل تھی۔ بہرحال سعودی عرب اور شام کی نئی حکومتیں معرضِ وجود میں آ گئیں۔ افغانستان نے بھی برطانیہ کی غلامی سے نجات حاصل کر لی تھی۔

جب برطانیہ نے اپنی ساکھ کو یوں گرتے دیکھا تو اپنی عیاری سے کام لیتے ہوئے عرب۔ افغانوں اور ترکوں کی آزاد مملکتوں کو تسلیم کر لیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ان کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے منصوبوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اس پروگرام کی سب سے پہلی کڑی فلسطین سے عربوں کو بے دخل کرنا اور فلسطین پر یہودیوں کا تسلط کرانا تھا۔

یہ کام اس طرح کیا کہ مغربی یہودیوں کو طے شدہ علاقوں میں آباد کر کے خود (برطانیہ) پارسا بن بیٹھا۔ اور یہ کہہ دیا کہ ہمارا (برطانیہ) اسرائیلیوں کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رہا۔ کیونکہ یہ لوگ صیہونی دہشت پسند ہیں۔ جب پوچھا گیا کہ ان دہشت پسندوں کے پاس اسلحہ اور دیگر جنگی سامان کہاں سے آیا تو برطانیہ بات کو گول کر گیا۔ اسی برطانیہ نے اپنی معذوری کا مزید اظہار اس طرح کیا کہ جنگ عظیم نے اسے (برطانیہ) کو کنگال کر دیا ہے لہٰذا وہ (برطانیہ) یہودیوں کا کچھ تدارک کرنے سے قاصر ہے۔ یہ عذر پیش کر کے برطانیہ نے اسرائیل سے ظاہراً تعلقات منقطع کر لیے اور کہا کہ ہم اسرائیلی علاقے پر زبردستی قابض نہیں رہنا چاہتے۔ برطانیہ نے اس طرح اسرائیل کا قیام ممکن بنا دیا کہ سارے قضیئے کو در پردہ امریکہ کے حوالہ کر دیا۔

پہلی جنگِ عظیم میں برطانیہ اور اس کے اتحادی اشتراکی روس کو فتح نہ کر سکے تو دوسری جنگِ عظیم میں انھوں نے جرمنی (ہٹلر) کو اس کام کے لئے آمادہ کر لیا مگر ہٹلر کو برسرِ اقتدار لاتے وقت وہ مردم شناسی میں غلطی کر گئے۔

ہٹلر نے برسرِ اقتدار آتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ میں اتحادیوں سے جرمنی کی شکست کا بدلہ لوں گا اور اپنی چھینی ہوئی نو آبادیوں کو ان سے واپس لوں گا۔ جرمنی کے یہودیوں نے ہٹلر کو کسی قسم کی کوئی امداد نہ دی۔ نتیجۃً ہٹلر نے جرمن

سے یہودیوں کو نکل جانے کا حکم دے دیا۔ شرلیند یہودیوں کو سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ وہ جو بچ رہے بھاگ گئے اور لاکھوں کی تعداد میں فلسطین میں جا آباد ہوئے۔ امریکہ اور برطانیہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ تمام یہودی فلسطین میں اکٹھے ہو جائیں۔

امریکہ اور برطانیہ نے اسرائیل کے موجودہ علاقے کو صرف تمام یہودیوں کے لئے مختص کر دیا۔ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ مغربی اخبارات نے بھی اس منصوبہ کو اپنے اداریوں میں اس انداز سے دنیا کے سامنے پیش کیا کہ مشرق والوں کو امریکہ اور برطانیہ کی چال کا علم نہ ہو سکا۔ ادھر مشرق والے مغرب کے اخباروں کی نقالی کرتے رہے۔ اس طرح مشرقی عوام مغربی فتنے سے بے خبر رہے اور فلسطین میں یہودیوں کی حکومت مستحکم ہوتی چلی گئی۔

فلسطین میں نہ صرف صیہونیوں (ZIONISTS) کو آباد کیا گیا بلکہ وہاں سے عربوں کو نکالا جانے لگا۔ نکالے جانے والے عرب مسلمان، عیسائی، مقامی یہودی پر مشتمل تھے۔ نسلی امتیاز اس حد تک برتا گیا کہ مغربی یہودیوں کو صیہونی (ZIONISTS) اور مقامی یہودیوں کو JEWS دقیانوسی یہودی کہا جانے لگا۔ مراکش، تیونس سے جہاں لاکھوں یہودی آباد تھے (اور اب بھی ہیں) انہیں فلسطین کے نئے وطن میں مدعو نہیں کیا گیا۔ فلسطین سے نکالے ہوئے عربوں کے اعداد و شمار فراہم کئے گئے تو معلوم ہوا کہ ان میں چالیس فیصد مسلمان، تیس فیصد عیسائی اور تیس فیصد دقیانوسی یہودی تھے۔

عربوں کو اسرائیل سے نکالنے کا ایک جواز یہ بھی پیش کیا گیا کہ غیر قوموں کی موجودگی میں اسرائیل میں شر اور فساد پیدا ہوتا ہے اور جاسوسی کا خطرہ بھی رہتا ہے۔ ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی کہ عربوں (مسلمان، عیسائی و دقیانوسی) کا معاشی اور معاشرتی معیار صیہونیوں (ZIONISTS) کے مقابلہ میں کمتر ہے۔ اس سے بے اطمینانی کے پھیل جانے کا خطرہ بھی ہے۔ مغربی امداد سے اسرائیل ۱۹۱۸ء سے ۱۹۴۹ء اور ۱۹۶۷ء تک تین جارحانہ کاروائیوں اور عرب دشمن سرگرمیوں کو مستحکم کرنے میں کامیاب رہا۔

مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی موجودہ حیثیت کی ابتدا یہ ہے کہ اسرائیل کا قیام ایک عالمی سازش کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد وہ دو جارحانہ جنگیں لڑ چکا ہے۔ دوسری جارحیت کے نتیجہ میں جو علاقہ جون ۱۹۶۷ء میں ہتھیا لیا وہ صرف بزور موجود ہے اور اقوام متحدہ کی پالیسیوں کے خلاف سامراجی استعماری طاقتوں کی بدولت روز بروز سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اس بحران نے مشرق وسطیٰ کو ایک کھولتے ہوئے آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا ہے۔

یہ بحران اپنے پیچھے نصف صدی کی طویل تاریخ رکھتا ہے "تاریخ جو بڑی طاقتوں کی استعماریت، عہد شکنی، صیہونیت نوازی اور مسلم دشمنی سے عبارت ہے۔"

الفرقان: دیکھئے کہ امام جماعت خدا اور رسول کی بات فرماتے ہیں کہ جب قیام اسرائیل کی یہ سکیم تھی اور امریکہ جیسی بڑی طاقتیں مددگار رہی تھیں اور ان کی مدد و حمایت اور فلسطینی عربوں کی بے بسی و بے کسی کے نتیجہ میں اسرائیل بن گیا تو پھر کسی معاند احمدیت مولوی (دیوبندی صاحب ہوں یا اشرف صاحب ہوں) کا یہ کہنا کہ اسرائیلی حکومت کے قائم کرنے میں احمدیوں کا ہاتھ ہے کتنا بڑا جھوٹ اور افترا ہے جو خدا سے کچھ ڈر کر بنایا گیا ہے۔

نہایت المناک مگر انتہائی اہم انکشافات

ملّتِ اسلامیہ کے "زعماء"

اور

یہودی فتنہ

از قلم: مولانا دوست محمد صاحب شاہد

تاریخِ اسلام کے خونیں اوراق

اسلامی دنیا کو اپنی چودہ سو سالہ سیاسی زندگی میں بہت سے روح فرسا حوادث و مصائب سے دوچار ہونا پڑا ہے مثلاً بغداد پر تاتاری حملہ، مسلم اسپین کی تباہی، مجاہدِ ملّت حضرت سلطان ابوالفتح ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت، سقوطِ دہلی، سلطنتِ عثمانیہ کا زوال اور مشرقی پنجاب میں خونِ مسلم کی ارزانی، اور کعبہ کی بیٹیوں کا وسیع پیمانے پر اغوا، جس کا تصور کر کے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے، روح تڑپ اٹھتی ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہاتی ہیں، یہ سب واقعات جو ہمارے ملّی قافلۂ حیات کو پیش آئے، تاریخِ اسلام کے خونیں اوراق ہیں۔

حجازِ مقدس صیہونیت کی زد میں

بایں ہمہ حق یہ ہے کہ سنہ ۱۹۴۸ء میں یہودی فتنہ نے اسرائیلی حکومت کے قیام سے جس طرح سب مسلمانانِ عالم کے ملّی جسم میں زہر آلود خنجر پیوست کر دیا ہے۔ اس کے سامنے گزشتہ سب حوادث و آلام ہیچ ہو کر رہ گئے ہیں۔ وجہ یہ کہ اس حادثۂ عظمیٰ نے مسلمانوں کی عالمی سیاسیات کے دھاروں کو ہی بدل کے رکھ دیا ہے اور حجاز کی مقدس و مبارک اور مہبط الانوار سرزمین بھی جس کا ذرہ ذرہ تجلیاتِ الٰہیہ کا مرکز ہے اور جس کے افق پر شہنشاہِ نبوت جلوہ گر ہوا۔ اسلام کے

ازلی دشمنوں کی زد میں آگئی ہے۔

صیہونی لیڈروں کے ناپاک عزائم

یہود نامسعود کے دلوں میں اسلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف صدیوں سے سلگنے والی آتشِ انتقام، اب شعلۂ جوالا بن گئی ہے اور صیہونی لیڈر بارہا اپنے ان درپردہ ناپاک عزائم کا اظہار کر چکے ہیں کہ موجودہ اسرائیلی حکومت تو آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ اور نقطۂ آغاز ہے کیونکہ اسرائیل کی میراث کا ملک نیل سے فرات تک ہے۔ جس میں دریائے نیل تک مصر، پورا اردن، پورا شام، پورا لبنان، عراق کا بڑا حصہ، ترکی کا جنوبی علاقہ اور مدینۃ النبی صلعم تک حجازِ مقدس کا پورا بالائی علاقہ شامل ہے۔

اسرائیلی پارلیمنٹ کی پیشانی پر یہ ماٹو کندہ ہے کہ "اے اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں"۔ اسرائیلی وزیرِ اعظم بن گوریان نے پارلیمنٹ میں ۱۹۵۰ء کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا "اسرائیل کی حکومت صرف ایک وسیلہ ہے منزل نہیں"۔ لیبر پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر ناری الکمان نے ۱۳ مارچ ۱۹۵۲ء کو بیان دیا کہ "ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کو صاف صاف اور واضح الفاظ میں بتا دیں کہ فلسطین میں دنیا بھر کے یہودیوں کو جمع کر کے فوجی بنانے کا مطلب اسرائیل کی نئی سرحدوں کا تعین ہے۔" (تاریخ بیت المقدس صفحہ ۲۶۱، ۲۶۲ مؤلفہ مختار زیارت صاحب)

قرآنِ عظیم میں یہودی فتنہ کی خبر

یہودیت کے اس بڑھتے ہوئے ہولناک سیلاب کی خبر قرآن عظیم نے سورۃ فاتحہ میں ہی دے دی اور امتِ محمدیہ کو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کی دعا سکھلا کر صیہونیت کے موجودہ عالمی اثرات کی نشان دہی فرمائی اور اس سے محفوظ رہنے کی دعا بھی سکھلائی اور ہر زمانہ کے مسلمانوں پر فرض عائد کی کہ وہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھیں تا یہودیت کے خوفناک فتنہ سے بچ سکیں۔

حضرت مہدئ موعودؑ اور حضرت مصلحِ موعودؓ کی تصریحات

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام نے اپنی کتابوں اور ملفوظات میں فتنہ یہودیت کے بہت سے گوشوں کو بے نقاب فرمایا ہے اور بڑی تفصیل سے ان کے مورد غضب الٰہی بننے کے اسباب و علل پر روشنی ڈالی ہے اور ان کو اقوام کی سب سے خبیث، جنگجو اور بے باک قوم قرار دیا ہے (ملفوظات جلد دوم صفحہ ۲۷۹ - ۲۸۰) نیز فرمایا کہ:

"یہود ایک قوم کا نام ہے جو حضرت موسیٰؑ کی امت کہلائی ان بدقسمتوں نے شوخیوں کی تھیں سب انبیاء کو دکھ دیا یہ قاعدے کی بات ہے کہ جو کسی بدی میں کمال تک پہنچتا ہے نامی ہو جاتا ہے تو پھر اس بدی میں اس کا نام لیا جاتا ہے۔ ڈاکو تو کئی ہوئے مگر بعض ڈاکو خصوصیت سے مشہور ہیں......

یہ یہود چونکہ اوّل درجے کے شرارت کرنے والے تھے اور نبیوں کے سامنے شوخیاں کرتے تھے اس لئے ان کا نام مغضوب علیہم ہوگیا۔"
(بدر - ۹ر جنوری ۱۹۰۸ء ص)

حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی ان حقائق افروز تصریحات کے علاوہ آپ کے فرزند جلیل خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رض نے "الکفر ملۃ واحدۃ" کے انقلاب آفریں مقالہ کے ذریعہ دنیا بھر کے مسلمان ممالک کو اسرائیل کے خلاف منظم ہونے کی پرجوش تحریک کی اور اس فتنہ عظمیٰ کے خطرناک مقاصد سے آگاہ کر کے زبردست انتباہ کیا۔

دینی و سیاسی مسلم زعماء کا رُخ کردار

لیکن افسوس صد افسوس! بیسویں صدی کے اکثر دینی و سیاسی "مسلم زعماء" یہودی فتنہ کی ہلاکت آفرینیوں کا صحیح اندازہ لگانے سے قاصر رہے ہیں بلکہ نہایت دکھ بھرے دل کے ساتھ یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے دور کے بعض مشہور اور بلند پایہ دانشوران قوم فقہائے عصر اور وارثین محراب و منبر کا رویہ یہود کی نسبت مصالحانہ، ہمدردانہ بلکہ مشفقانہ رہا ہے جو ہر درد مند دل رکھنے والے مسلمان کے لئے از حد تشویش انگیز ہے اور زیر نظر مقالہ میں اسی انتہائی دردناک پہلو پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔

(۱) "امام الھند" مولانا ابو الکلام صاحب آزاد

جناب مولانا ابو الکلام آزاد کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ مجلس احرار، مجلس ختم نبوت، جمعیۃ العلماء اسلام اور دیوبندی طبقہ کے سب حلقوں میں انھیں ہمیشہ ایک ممتاز مقام حاصل رہا ہے جناب رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی انھیں اپنا "مذہبی اور سیاسی پیشوا" یقین کرتے ہیں (ترشہ گل نالۂ دل دود چراغ محفل از شورش صاحب ص ۲۲۹) "سوانح رئیس الاحرار" (صفحہ ۱۷۹ اور ص ۱۹۲) سے مولانا آزاد کی اس خصوصیت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مجلس احرار اسلام نے جب آل انڈیا نیشنل کانگرس کے اجلاس لاہور (دسمبر ۱۹۲۹ء) میں جنم لیا تو "مولانا آزاد کے مشورہ سے آل انڈیا کانگرس کے اسٹیج پر چوہدری افضل حق کی صدارت میں مجلس احرار کا پہلا جلسہ ہوا"

مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنی وفات سے قبل "آزادی ہند" کی تفصیلات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب سپرد قلم فرمائی جس کا انگریزی ترجمہ "ORIENT LONGMAN'S PRIVATE LTD" نے ۱۹۵۹ء میں کلکتہ میں چھاپا اور یہیں سے شائع کیا۔ مولانا آزاد نے اس کتاب میں تحریک پاکستان اور وطن یہود کا ذکر جن الفاظ میں فرمایا وہ بیسویں صدی کا ایک عظیم المیہ ہے۔ لکھتے ہیں:-

I must Confess that the very term Pakistan goes against my grain. It suggests that some portions of the world are pure while others are impure. Such a division of territories into pure and impure is un-

Islamic and a repudiation of the very spirit of Islam. Islam recognises no such division and the Prophet says, "God has made the whole world a mosque for me."

Further, it seems that the scheme of Pakistan is a symbol of defeatism and has been built up on the analogy of the Jewish demand for a national home. It is a Confession that Indian Muslims cannot hold their own in India as a whole and would be content to withdraw to a c rner specially reserved for them.

One can sympathise with the aspiration of the Jews for such a national home, as they are scattered all over the world and cannot in any region have any effective voice in the administration".

('India Wins Freedom', By Maulana Abaul Kalam Azad Page 142—143)

ترجمہ:۔ مجھے اعتراف ہے کہ پاکستان کا لفظ ہی میری طبیعت قبول نہیں کرتی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ دنیا کا ایک حصہ تو پاک ہے اور باقی "ناپاک"۔ پاک اور ناپاک کی بنیاد پر کسی قطعۂ ارض کی تقسیم قطعاً غیر اسلامی اور روح اسلام کے بالکل منافی ہے۔ اسلام اس طرح کی کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ "خدا نے ساری دنیا کو میرے لئے مسجد بنایا ہے" علاوہ ازیں میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کی سکیم شکست خوردگی کی ایک واضح علامت ہے اس کی تعمیر جس بنیاد پر رکھی گئی ہے۔ وہ ہے یہودیوں کے قومی وطن کی مثال۔ یہ اس بات کا اعتراف ہے کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کو بحیثیت مجموعی اپنا وطن نہیں بنا سکتے۔ وہ صرف اس ٹکڑے پر قناعت کریں گے جو ان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

جہاں تک یہودیوں کے قومی وطن کا مطالبہ ہے اس سے ہمدردی کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ ساری دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں اور کسی علاقہ میں بھی وہاں کے نظم و انصرام پر کوئی اثر نہیں رکھتے۔

(۲) شاعر مشرق علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال

عہد حاضر میں علامہ سر محمد اقبال ایشیا کے وہ واحد مسلمان فلسفی شاعر ہیں جن کا نام مشرقی اور مغربی دنیا میں بہت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات کی ہر جگہ دھوم ہے اور جن کا اردو اور فارسی کلام اور دنیا کی مختلف زبانوں میں لٹریچر منظر عام پر آ چکا ہے۔

علامہ موصوف نے ۱۹۱۰ء میں اپنے مختلف نگارشات انگریزی بیاض کی صورت میں قلمبند کئے جو ۱۹۶۱ء میں "STRAY REFLECTIONS" کے نام سے چھپے اور اُن کا اردو ترجمہ دسمبر ۱۹۷۳ء میں "شذراتِ فکرِ اقبال" کے نام سے مجلس ترقی ادب کلب روڈ کی طرف سے شائع ہوا۔

"شذراتِ فکرِ اقبال" میں علامہ نے یہودی شاعر ہائینے (HEINE ۱۷۹۰ء - ۱۸۵۶ء) کی بہت تعریف فرمائی ہے اور لکھا ہے کہ :-

"کوئی قوم اہلِ جرمن کے برابر خوش نصیب نہیں۔ اس قوم میں ہائینے جیسا شاعر اس وقت پیدا ہوا جب گوئٹے کی سحر آفرین نغمہ سرائی سے فضا معمور تھی۔" (ص۹۹)

علامہ نے ایک مقام پر یہود کو کاروباری اخلاق کے اصولوں کا اوّلین مقنّن ہونے کا اعزاز بخشا ہے اور درج ذیل الفاظ میں خراجِ تحسین ادا فرمایا ہے :-

"عالمی تہذیب کے ارتقاء میں یہودی عنصر کی مقدار اتنی ہے کہ اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہود نے شاید سب سے پہلے کاروباری اخلاق کے اصول وضع کئے جن کا خلاصہ تصورِ دیانت ہے۔" (ص۱۰۱)

سترھویں صدی عیسوی میں ہالینڈ کے سب سے بڑے شہر اور دارالسلطنت ایمسٹرڈم میں ایک ڈچ فلاسفر باروچ سپائنزا (BARUCH-SPIENZA) پیدا ہوا۔ سپائنزا اس شان کا مذہبی انسان تھا کہ اس کی عظیم شخصیت کی نسبت علامہ اقبال تک فرماتے ہیں :-

"نسلِ یہود نے صرف دو عظیم الشان انسان پیدا کئے ہیں۔ عیسیٰؑ اور اسپنوزا۔ دونوں خدا کے اوتار تھے اوّل الذکر بیٹے کے روپ میں، اور ثانی الذکر کائنات کے روپ میں"
(شذراتِ فکرِ اقبال ص۹۲)

جیوئش انسائیکلوپیڈیا سے پتہ چلتا ہے کہ اسپینوزا نے جب اپنے زمانہ کے یہودی ربیّوں (عالموں) کے روائتی خیالات و معتقدات پر تنقید کی تو انھوں نے اسے یہودی برادری سے ہی خارج کر دیا۔ ڈیورنٹ (DURANT) اپنی کتاب "افسانۂ فلسفہ" میں اس یہودی عوامی فیصلے کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ ایسا فیصلہ یہودیوں کی قومی اور سیاسی وحدت اور یکجہتی کے برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

علامہ سر محمد اقبال نے ۱۹۳۵ء میں اپنی ایک تحریر میں خاص طور پر اسپینوزا کے خلاف یہودی فیصلہ کا تذکرہ فرمایا اور اس کو سراہتے ہوئے یہ رائے قائم فرمائی کہ مسلمانانِ ہند چونکہ ان دنوں سیاسی اعتبار سے اسی خطرہ سے دوچار ہیں جو یہود کی

۱؎۔ جیوئش انسائیکلوپیڈیا جلد ۱۱ میں اس کے مفصل حالات درج ہیں۔

حیاتِ ملّی کو ایسٹرڈم میں لاحق ہوا تھا۔ اس لئے قادیانیوں کو مسلم برادری سے خارج کر دیا جائے۔ اس ضمن میں آپ نے یہاں تک لکھا کہ:-

"جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ **مسلم جماعت کا استحکام اس سے کہیں کم ہے جتنا حضرت مسیحؑ کے زمانہ میں یہودی جماعت کا رومن کے ماتحت تھا۔"**

(احمدیت اور اسلام صفحہ ناشر ادارہ طلوعِ اسلام کراچی)

ایک شہرۂ آفاق مسلمان مفکر اور **فلسفی شاعر** کا برصغیر پاک و ہند کے سماجی اور سیاسی حالات کو ایمسٹرڈم اور **یروشلم** کے یہودی ماحول سے تشبیہہ دینا اور بجائے کتاب اور سنتِ رسول اللہؐ کی بجائے ایک طرف مسلمانانِ ہند کو حضرت مسیحؑ کے خلاف یہودی طرزِ عمل اختیار کرنے کا مشورہ دینا اور دوسری طرف برطانوی حکومت سے ایک تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرنا ایک حیرت انگیز بات ہے جس کا جواز صرف علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل الفاظ ہی سے فراہم ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"شاعری میں منطقی صداقت کی تلاش فضول ہے تخیّل کا نصب العین حسن ہے نہ کہ صداقت۔ کسی شاعر کی عظمت کے ثبوت میں اس کے کلام کے وہ نمونے پیش نہ کیجئے جو آپ کی رائے میں سائنٹفک صداقت کے ترجمان ہیں۔"

(شذراتِ فکرِ اقبال۔ مرتبہ جسٹس جاوید اقبال صفحہ ۵۷)

(۳)۔ آغا عبدالکریم شورش کاشمیری آف "چٹان"

لاہور کا ہفت روزہ "چٹان" ایک طرف تو آٹھ سال سے یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ **یہودیوں نے قرآن اور انجیل سے عملی استفادہ کر کے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔** (چٹان ۲۲ جون ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۹)

دوسری طرف اس اخبار نے مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے اور ان کے جذبۂ جہاد کو ختم کرنے کے لئے عرب حکومتوں کے خلاف بہت زہریلا مواد شائع کیا ہے۔ بطورِ نمونہ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:-

"عراق میں اگرچہ کونسل آف ایجنسی قائم تھی کیونکہ شاہ فیصل ثانی مرحوم نابالغ تھے اور حکومت امیر عبداللہ اور وزیرِ اعظم نوری السعید پاشا کی کہی جاتی تھی لیکن دراصل عراق پر چند قبائلی شیوخ کا راج تھا۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران **ان کو حکومتِ برطانیہ ششماہی وظائف دیتی تھی جسے SUBSIDY کہا جاتا تھا اور ہر وظیفہ لاکھوں پونڈ کا ہوتا تھا۔** یہ شیوخ ہر چھ ماہ بعد بغداد میں آ کر اپنے وظائف برطانوی سفارت خانے سے وصول کیا کرتے اور دو دو ہفتے ایک ایک ماہ بغداد میں قیام کر کے **دادِ عیش** دیا کرتے تھے اور اس عیش کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ جب رات کے وقت **قحبہ خانوں اور کیبرز CABRETTES یعنی رقص خانوں میں جاتے اور پیشہ ور رقاصاؤں اور بیسواؤں کو ایک رات کے لئے باقاعدہ**

نیلامی کی بولیوں کی طرح بولیاں دے کر حاصل کیا جاتا تھا اور بعض اوقات ایک رات کی عیاشی کیلئے بولی تین تین ہزار دینار یعنی چالیس چالیس ہزار روپئے تک جا پہنچتی تھی"

(ہفت روزہ چٹان لاہور ۲۶ جون ۱۹۷۷ء صفحہ ۱۶ کالم ۴)

اس سلسلہ میں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ مدیر و بانی رسالہ "چٹان" جناب آغا عبدالکریم شورش صاحب نے خاص طور پر سعودی عرب اور عام طور پر دیگر مسلم ریاستوں مثلاً عدن، ابوظہبی، کویت، بحرین، اور مسقط کے حکمرانوں کو بدنام کرنے کے لئے ایک کتاب لکھی جو ستمبر ۱۹۷۱ء کو دفتر چٹان لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کا نام "شب جائے کہ من بودم" تھا۔

شورش صاحب (جنہیں بعض احباب "عاشقِ رسول" اور "پروانۂ ختمِ نبوت" قرار دیتے ہیں) اس کتاب میں شاہ سعود اور حجازی مسلمانوں کا ایسا بھیانک اور شرمناک نقشہ کھینچا ہے کہ جو جذباتِ نفرت و حقارت عاشقِ رسولِ عربی ﷺ کے دل میں صیہونی تحریک اور یہودی حکومت کے خلاف اُبھرنے چاہئیں تھے وہ سعودی حکومت اور اس کے باشندوں کے خلاف طوفان بن کر امڈ آتے ہیں۔ میرا قلم شورش صاحب کے الفاظ کو نقل کرتے ہوئے لرز رہا ہے مگر ان کے بعض نمونے ہدیۂ ناظرین کئے بغیر کوئی چارہ کار بھی نظر نہیں آتا۔ اس لئے صرف چند فقرے اس کتاب کے درج کرنے پر ہی اکتفا کر سکوں گا۔ لکھا ہے:۔

(۱) "پاکستان کے ساحل سے حجاز کے ساحل تک عدن، ابوظہبی، کویت، بحرین، مسقط وغیرہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں نفس کی حکمرانی ہے ان کے والی شکروں سے شکار کرتے ہیں۔ ہر نوع کا شکار پرندوں سے لے کر عورتوں تک کا شکار" (صفحہ ۲۷)

پھر لکھا:۔

(۲) "عربوں میں وہ پہلی سی قوت نہیں رہی ان کے چشمے خشک ہو گئے ہیں۔" (صفحہ ۱۱۳)

"عربوں کے پاس کوئی شخصیت، صفِ اوّل کی نہیں یا بالخصوص کوئی ایسا مسلمان رہنما نہیں جس کا مطمحِ نظر صرف اسلام ہو اور جس کی ذات یا شخصیت عربوں کے قلوب کو متاثر کر سکے۔ پچھلی کئی صدیوں سے انھوں نے کوئی بڑا آدمی پیدا نہیں کیا۔ ان کے بوڑھے ماضی میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کے جوان مستقبل کی خاطر اس ماضی سے بغاوت کر چکے ہیں۔ اب تک عراق، شام، عدن، یمن، لیبیا، سوڈان، الجیریا، مصر، صومالیہ اور گنی کی حکومتیں اشتراکی ہو چکی ہیں۔ صرف حجاز، کویت، اردن، تیونس، مراکش اور موریطانیہ غیر اشتراکی ہیں .... عربوں کے ذہنی بیت الخلاء کا نام بیروت ہے......

ان کے لئے فکری سوتے پہلی جنگِ عظیم کے بعد یہیں سے پھوٹے ہیں اور عرب نیشنلزم کی ابتداء یہاں سے ہوئی ہے .... عرب امراء یہاں عیاشی کے لئے اور استعماری کھلنڈرے جوڑ توڑ کے لئے آتے ہیں۔ امریکہ کے مختلف دفاتر یہاں سے حکومتوں کی خرید و فروخت کرتے اور امریکن یونیورسٹی بیروت

نئی نسل کی تطہیرِ دماغ (BRAIN WASHING) کا "فرض" ادا کرتی ہے۔" (صفحہ ۱۹۴-۱۹۵)

(۳) "سلطان عبدالعزیز کے تینتیس بیٹے تھے۔ ان بیٹوں کی بے شمار اولادیں ہے۔ سینکڑوں شہزادے ہیں اور سب کسی نہ کسی عہدے پر متعین ہیں۔ ہر صوبہ کا گورنر انہی بھائیوں میں سے ہے۔ فوج کا یہ حال ہے کہ پاکستان سے جو لوگ انھیں تربیت دینے گئے ہیں ان کی روایت کے مطابق وہ فوج سے زیادہ موٹر پر لطین رکھتے ہیں .... اس ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ نوّے فیصد عوام نا مری ہیں۔" (صفحہ ۱۹۶)

(۴) "عربوں کو شکایت ہے کہ عجم کی بعض مسلمان ریاستیں یا ان کے بعض ادارے عالمی استعمار کے لگے بندھے اور ان کے قلب کا ناسور ہیں وہ انھیں مختلف استعماری طاقتوں کا ایجنٹ خیال کرتے ہیں .... ان کا یہ گلہ درست ہے کہ عصمت الؤلؤ کی ماں اور بیوی دونوں یہودی تھیں۔ ماں نے تو اسلام کبھی قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا خیال ہے کہ تہران میں ساٹھ فیصد یہودی تجارت کنٹرول کرتے اور مختلف حیثیتوں سے وہاں موجود تھے ان کے خیال میں حبشہ کے بعد ایران پہلا مسلمان ملک ہے جس نے یہودیوں کو اپنے ہاں بُلا کر آباد کیا......... ایک عرب طالب علم نے بتایا کہ مصر میں روس نے مختلف ڈیمز وغیرہ بنانے کے لئے جو ٹیکنیشن بھیجے ہیں ان چالیس ہزار میں سے سویلین کے روپ میں نصف ملٹری ایکسپرٹ ہیں اور ان میں پچیس فی صد یہودی ہیں۔"

(صفحہ ۱۹۶-۱۹۷)

مسلمان ممالک کے خلاف اس شرمناک پروپیگنڈے کا سوائے اس کے اور کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ نئی مسلمان نسل شدید احساسِ کمتری میں مبتلا ہو کر یہودی جارحیت کے سامنے ہمیشہ کے لئے ہتھیار ڈال دے اور مُنْعَمْ عَلَیْھِمْ کا آسمانی تاج مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کے قدموں میں رکھ دے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

(۲) مولانا سیّد ابُوالحسن علی ندوی صاحب

جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک ممتاز اور مشہور مسلمان بھارتی لیڈر اور مصنف ہیں۔ آپ نے "(مسلم) ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" لکھی ہے، جس کے اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں بکثرت تراجم شائع کئے جا چکے ہیں۔ مولانا ندوی صاحب نے اس کتاب میں جہاں پاکستان، مصر، شام، عراق، ترکی، ایران، انڈونیشیا، تیونس اور الجزائر وغیرہ اسلامی ممالک پر تابڑ توڑ حملے کئے ہیں وہاں اسرائیلی حکومت کی قصیدہ خوانی میں یہاں تک کہہ ڈالا ہے کہ:-

"اسرائیل کی حکومت خود خالص مذہبی بنیاد پر قائم ہوئی۔ اس نے ریاست کے دستور سے لے کر روزمرّہ کی زندگی تک اور مذہبی فرائض و احکام سے لے کر سیاسیات و اقتصادیات کے میدان تک جس طرح تورات کی تعلیمات کو اعتقاد سے مضبوط پکڑا ہے اور اس بارہ میں لکیر کی فقیر ثابت ہوئی ہے وہ عالمِ اسلام کے لئے صرف درسِ عبرت ہی نہیں "تازیانۂ غیرت" بھی ہے۔"

(مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش مصنفہ سید ابوالحسن علی ندوی ناشر مجلس نشریات اسلام۔ اے کے ۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد کراچی ۱۸ صفحہ ۱۶۵)

کسے معلوم نہیں کہ اسرائیل کی حکومت خالص مذہبی بنیادوں پر ہی نہیں بلکہ ایک شرمناک خفیہ معاہدہ کے نتیجہ میں قائم ہوئی ہے جو ۱۹۱۷ء میں صیہونی لیڈر ڈاکٹر وائزمین اور برطانوی وزیر خارجہ لارڈ بالفور کے مابین ہوا تھا۔ اور جس میں طے پایا کہ یہودی لوگ جنگ عظیم میں برطانیہ کی مدد کریں۔ برطانیہ اس کے عوض فلسطین کو یہودیوں کا وطن بنا دے گا۔

اسی بنیاد پر پاکستان اور اسلام کے مایۂ ناز فرزند چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے تقسیم فلسطین کی پرزور مخالفت کی تھی۔

مسٹر ایس ایم برک (Mr. S.M. Burke) اپنی کتاب "پاکستان کی خارجہ پالیسی (Pakistan's foreign policy) میں لکھتے ہیں:۔

"(چوہدری) ظفر اللہ خان نے پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے تقسیم فلسطین کی پرزور مخالفت کی (نوٹ: اس بارے میں چوہدری ظفر اللہ خان کی تقاریر جنرل اسمبلی کے آفیشل ریکارڈ سے ملاحظہ کی جائیں۔ اسی طرح مشتاق احمد کی کتاب "The U.N.O. and Pakistan" اور کے سرور حسین کی کتاب "پاکستان اور یو این او" (Pakistan and U.N.O.) ملاحظہ فرمائیں) انہوں نے دلیل دے کر کہا کہ عربوں کو وعدہ ابتداء میں دیا گیا تھا اُس کو اوّلیت ملنی چاہیئے بالفور اعلان پر چونکہ اس بات پر شک کیا جا رہا تھا کہ عربوں کو دیئے گئے وعدہ میں فلسطین شامل تھا یا نہیں تو اس سوال کو انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس (ہیگ ہالینڈ) میں پیش کر کے اس عدالت سے بالفور اعلان کی حیثیت جواز اور احاطۂ اختیار کے بارے میں استصواب کروا لیا جائے۔ جہاں تک انسانی ہمدردی کا اس مسئلہ سے تعلق ہے چوہدری ظفر اللہ خان نے تجویز پیش کی کہ یہودی پناہ گزین لوگ اپنے اصلی ممالک کو بھجوائے جائیں اور جو نہ بھجوائے جا سکیں تو وہ یو این او میں شامل ممبر ممالک کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ مطابق ان کی اپنی استطاعت کے کہ وہ کس قدر پناہ گزین برداشت کر سکتے ہیں۔

پاکستانی وزیر خارجہ نے جنوبی طاقتوں پر الزام لگایا کہ انہوں نے زبردستی ایک مغربی کیل مشرق وسطی کے قلب میں گاڑ دیا ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ اگر تقسیم مان لی گئی تو ایک مہلک قدم اُٹھ جائے گا اور عرب اور یہودیوں کو ایک دوسرے کے گلا کھینچنے پڑ جائیں گے اور آئندہ ان کو متحد کرنے کا کبھی وقت نہ آئے گا اور بہت ساری انتقامی خون ریزیاں ہمارا راستہ روک لیں گی۔

بہت سے لوگوں نے سوال کیا کہ پاکستان جو خود تقسیم کی پیداوار ہے وہ تقسیم فلسطین کا مخالف کیوں ہے؟ ظفر اللہ خان نے کہا کہ یہ مطابقت سوال غلط ہے کیونکہ اوّل پاکستان کی آبادی ۰۰ ملین ہے جو کہ یہودیوں کی آبادی کا سوگنا سے بھی زائد ہے اور علاقہ جو تقسیم ہوا وہ بھی تیرہ گنا سے بیشتر اور تعجب انگیز ہے (دونوں حالتوں میں) دوم انڈیا میں چاہے تقسیم کتنی ہی ناگوار تھی مگر اکثریتی پارٹی کو ماننی پڑی اور پاکی

تقسیم سے تقسیم عمل میں آگئی۔ اگر عرب اور یہود دونوں باہمی رضامندی سے تقسیم پر رضامند ہو جاتے اور کہتے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں تو پاکستان سب سے پہلے اس تقسیم کو قبول کر لیتا۔ سوم۔ انڈیا میں مسلم اقلیت آبادی کا (مستقل) لازمی جزو تھی مگر فلسطین میں ایک یہودی اقلیت بناوٹی طور پر پیدا کر کے عوام کی منظوری کے بغیر ان پر ٹھونسی گئی ہے۔ چہارم۔ انڈیا میں مسلمانوں نے صرف انہی علاقوں کا مطالبہ کیا تھا۔ جہاں وہ اکثریت میں تھے۔ مگر فلسطین میں یہودی ہر جگہ اقلیت میں ہی سوائے جافہ کے"

(Pakistan's foreign policy - Page 132)

یہ علیحدہ بات ہے کہ استعماری طاقتوں کی سازش سے تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور کر لی گئی مگر چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے اس جہاد باللسان نے جہاں عرب ممالک میں آپ کے لئے بے پناہ محبت و عقیدت پیدا کر دی وہاں دنیا بھر کے یہودی آپ کے خلاف غیظ و غضب میں بھر گئے۔ غصہ کا یہ طوفان (جو ابھی تک تھمنے میں نہیں آرہا) کتنا شدید تھا اس کا اندازہ جناب حمید نظامی مدیر نوائے وقت کے ایک چشم دید واقعہ سے بخوبی لگ سکتا ہے۔

جناب نظامی صاحب مرحوم نے "نشان منزل" (صفحہ ۹۱) میں لکھا ہے کہ جب وہ دی آنا پریس اسمبلی میں تشریف لے گئے تو انہیں ایک یہودی عالم اور ایک اسرائیلی اخبار کے ایڈیٹر سے ملنے کا اتفاق ہوا وہ اگرچہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی قابلیت کے معترف و مداح تھے مگر آپ کی مذمت کرتے اور سخت برا بھلا کہتے تھے۔

(۵) سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی اور ان کی جماعت اسلامی

جناب سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی (بانی جماعت اسلامی) کا شمار برصغیر پاک و ہند کے مشہور و ممتاز ادیبوں بلکہ مفکروں میں کیا جاتا ہے۔ مولانا صاحب کا رویہ اور طرز عمل جہاں تک مسئلہ فلسطین کا تعلق ہے انتہائی منفی، حوصلہ شکن بلکہ سخت قابل اعتراض رہا ہے۔ ۱۹۴۶ء سے وہ اس مسئلے کو "وقتی" قرار دے کر مسلمانان عالم کے زخموں پر نمک پاشی کرتے چلے آرہے ہیں۔ (رسائل و مسائل صفحہ ۵۲۳۔ ۵۲۴ حصہ اول مؤلفہ مولانا مودودی صاحب)

انکا مذہب یہ ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی طرح یہودی (اہل کتاب) بھی نسلی مسلمان ہی ہیں۔ (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۹۹ طبع ہفتم ۱۹۵۵ء)

انھوں نے "تفہیم القرآن" میں بڑے بڑے اہم مباحث پر قلم اٹھایا ہے مگر معلوم نہیں کس مصلحت کی بنا پر سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان اسلام کی اس مسلمہ تفسیر کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد یہودی قوم ہے۔ مولانا مودودی تصویر کشی کے معاملہ میں بڑے متشددانہ عقیدے کا اظہار کرتے رہتے ہیں مگر اس کے باوجود انھوں نے "تفہیم القرآن" جلد سوم میں یہودی تاریخ سے متعلق متعدد فوٹو شامل کئے ہیں مگر اسلام کے کسی ایک مقدس اور یادگاری مقام کی تصویر کو جگہ دینے کی انھیں توفیق نہیں مل سکتی ہے کہ ان کے ذریعہ مسلمان ہونے والی ایک یہودی لڑکی مریم جمیلہ ہے ـــــ یہ خاتون اپنی کتاب "Islam in Theory and Practice" صفحہ ۵ میں لکھتی ہیں:-

"یہودیت اور اسلام کے مابین رشتہ اس رشتے سے بھی زیادہ محکم ہے جو اسلام اور عیسائیت کے درمیان موجود ہے۔ یہودیت اور اسلام دونوں کے درمیان مشترک اقدار ہیں۔ ایک ناقابل مفاہمت وحدانیت، خالق کل کے روبرو تسلیم اور اس سے محبت اس بات کا ثبوت ہیں، کہ الٰہی شریعت کی فرمانبرداری بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ پیشوائیت، رہبانیت اور زاہدانہ تجرد کی نفی اور عبرانی اور عربی زبانوں کی حیرت انگیز مماثلت، حتیٰ کہ جو ثقافتی فضا روائتی یہودیت اور اسلام کی پیداوار ہے وہ ایک دوسرے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے جو چھوٹے چھوٹے یہودی لڑکے نیویارک کی ربی نکلی اکیڈمی میں توراۃ اور تالمود کا ورد کرتے ہیں وہ کسی مسجد کے مکتب میں اجنبیت محسوس نہیں کریں گے اسی طرح شریعت پر مباحثہ کرتے ہوئے (مسلمان) علماء کے کسی گروہ میں آکر یہودی ربی (عالم) ایسے محسوس کرے گا جیسے کہ وہ اپنے ہی گھر میں ہے"

(بحوالہ سود و دیت اور موجودہ سیاسی کشمکش۔ از محمد صفدر میر ناشر البیان۔ چوک انار کلی لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۹ء)

جماعت اسلامی کے موافق مسئلہ فلسطین کو ناکام بنانے کے لئے عربوں کے خلاف اخلاق سوز پراپیگنڈہ کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور ان کی قلمی جنگ اب نقطۂ عروج تک پہنچ چکی ہے جس کا ایک تازہ ترین نمونہ فاران کے ماہر القادری کا حسب ذیل نوٹ ہے۔ انہوں نے حاتم علوی کی وفات کے بعد ان کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے:-

"فلسطین کا مسئلہ جب مجلس اقوام میں پیش تھا تو حاتم علوی مرحوم بھی حکومت پاکستان کی طرف سے بکد خاص متعین تھے وہ بڑے افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ بعض عرب حکومتوں کے بعض ترجمان کلب گھروں میں راتیں یہودی لڑکیوں کی معیت میں گزارتے تھے۔ اور دوسرے دن مجلس اقوام میں فلسطین کے مسئلہ کی وکالت فرماتے تھے"

(فاران کراچی مدیر ماہر القادری۔ ماہ مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۵)

مودودی صاحب کی جماعت اسلامی کی ایک ذیلی تنظیم جمعیت الطلباء ہے جس کا ایک بنیادی غرض عملاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں اسرائیلی موقف کے لئے فضا سازگار کی جائے اور عربوں کو بدنام کر کے مسلمانوں کو مسئلہ فلسطین سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا جائے یہ منصوبہ اب کھل کر میدان عمل میں آچکی ہے اور جہاں موقع دیکھتی ہے تل ابیب سے شائع ہونے والے لٹریچر کو بھی پھیلاتی ہے۔ اس ضمن میں اخبار روزنامہ مساوات لاہور ۲۳ فروری ۱۹۷۱ء کے صفحہ اول پر شائع ہونے والی ایک خبر ملاحظہ ہو:-

"پشاور۔ ۲۲ فروری (نمائندہ خصوصی) پشاور یونیورسٹی کے ترقی پسند طلباء نے انکشاف کیا ہے کہ اسلامی جمعیت طلباء مسئلہ فلسطین کے متعلق اسلامی موقف کی تشہیر اور حمایت کے لئے تل ابیب میں شائع

ہونے والا لٹریچر تقسیم کر رہی ہے جس میں عربوں کے موقف کی مذمت کی گئی ہے اور اسرائیلی موقف کو حقائق پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ طلباء نے بتایا کہ حال ہی میں اسلامی جمعیت طلباء نے اسرائیل کے ایک ادارۂ امن کی طرف سے تل ابیب میں شائع ہونے والا ایک پمفلٹ "مسئلہ فلسطین کے چار حل" تقسیم کیا ہے۔ طلباء کا کہنا ہے کہ اسلامی جمعیت طلباء کے کارکن انتہائی منظم طریقے سے عرب حریت پسندوں کے خلاف اسرائیلی پروپیگنڈے کا زہر پھیلاتے ہیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے "شدھی بہ کل" قائم کر رکھے ہیں جن میں بین الاقوامی سامراج کی ریشہ دوانیوں کو تقاضے باہمی اور انسان دوستی کی جدوجہد اور حریت پسند تحریکوں کو تخریب پسند اور امن دشمن سرگرمیاں قرار دیا جاتا ہے۔ طلباء نے بتایا کہ اسلامی جمعیت طلباء کے کارکن عرب فدائیوں کو فلسطینوں کا آلہ کار اور عالم عرب میں لادینیت پھیلانے والا گروہ قرار دیتے ہیں۔ طلباء کا کہنا ہے کہ اسلامی جمعیت طلباء کی طرف سے کشمیری مجاہدوں کے خلاف بھی اسی نوعیت کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عرب چھاپہ ماروں اور کشمیری چھاپہ ماروں کا بین الاقوامی امن دشمن گروہ سے تعلق ہے جو دنیا پر جنگ مسلط کر کے بنی نوع انسان کو جنگ کا ایندھن بنانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ طلباء نے بتایا ہے کہ جمعیت کے کارکن انتہائی خفیہ اور منظم طریقے سے کام کرتے ہیں اور ان کا تعلق اسلامی جمعیت طلباء کی مرکزی کمیٹی سے ہے جو ان کے لئے پروپیگنڈا لٹریچر فراہم کرتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جمعیت کے کارکن غیر ملکی لٹریچر صرف انہی حلقوں میں تقسیم کرتے ہیں جن کے بارہ میں انہیں رازداری کا یقین ہوتا ہے۔ طلباء نے یہ بھی بتایا کہ ان دنوں جمعیت کے کارکنوں نے شیخ مجیب الرحمان کے چھ نکات کی حمایت میں پروپیگنڈا مہم شروع کر رکھی ہے اور وہ عوامی لیگ کے اس موقف کو جائز قرار دے رہے ہیں کہ آئین اکثریت کی بنیاد پر چھ نکاتی ہونا چاہیئے۔ طلباء نے جمعیت کے ایک کارکن سے چھینا ہوا وہ پمفلٹ ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے جو تل ابیب کے ادارۂ امن کی طرف سے شائع ہوا ہے۔

"AFP- THE ASSOCIATION FOR PEACE- WAS FOUNDED IN JERUSALEM IN 1968. WE ARE A PRIVATE VOLUNTARY GROUP, ENGAGED IN ENCOURAGING DIALOG ON THE RESOLUTION OF THE ARAB-ISRAELI CONFICT. OUR ASSOCIATION INCLUDES WRITERS, JOURNALISTS, AND OTHER PROFESSIONAL PEOPLE. WE ARE NOT ATTACHED TO ANY POLITICAL ORGANIZATION; NOR

ARE WE COMMITED TO ANY IDEALOGY. OUR SINGLE MOTIVATION IS TO COMMUNICATE WITH AS WIDE A GANGE OF PERSONS AS POSSIBLE ON THE PROLS-LEMS OF THE ARAB-ISRAELI CONFICT. AND TO EBICK RESPONSE ON THOSE PROBLEMS.

"OUR ACTIVEITIES ARE CONDUCTED FROM JERU-SLEM AND TEL AVIVE (TEL ABIBE) BUT FOR THE CON-VENIENCE OF CORRESPONDING WITH ARAB COUNTRI-ES WE ALSO MAINTAIN AN ADDRESS IN ROME.

AFP — THE ASSOCIATION FOR PEACE

P.O.B 17197 TEL AVIV."

(روزنامہ مساوات لاہور منگل ۲۲ فروری ۱۹۷۷ء صفحہ ۵ کالم ۶-۷)

جناب سید مودودی صاحب کا ہمیشہ سے یہ طریق رہا ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ انھوں نے اپنی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم میں تمام مشہور مسلمان ممالک پر زبردست تنقید کی ہے۔ اخبار "المنیر" ۱۹ جولائی ۱۹۵۷ء کے پرچہ میں انھوں نے جمال عبدالناصر مرحوم کو فرعون تک کہہ ڈالا ہے اور رسالہ خطبات میں سعودی عرب کے حکمرانوں اور ان کے عمّال اور کارندوں کو "شرکیہ" گالیوں سے نوازا ہے جو یہود کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے کا سب سے کارگر ہتھیار ہے۔

ان کے "فیض تربیت" کا اثر یہ ہے کہ انھوں نے ایک یہودی النسل امریکی خاتون مریم جمیلہ کو مشرف بہ مودودیت کر کے اسے یہودیت اور اسلام میں مماثلت کے بارے میں ایسے ایسے عجیب و غریب "نکات معرفت" سکھائے ہیں کہ یہی اس کی زندگی کا محبوب موضوع بن گیا ہے۔

مولانا کوثر نیازی کے سنسنی خیز بیان کے چند اقتباسات

اس مرحلہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جناب مولانا کوثر نیازی صاحب وزیر مذہبی پاکستان حقیقت افروز اور سنسنی خیز بیان بھی درج کر دیا جائے جس میں انھوں نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی ساز و نواز پر اسرار سرگرمیوں اور ان کے بیرونی مالی وسائل اور ذرائع پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے "مساوات" لاہور کے خصوصی نمائندے کو ایک خصوصی انٹرویو میں فرمایا ہے۔

(الف) "دراصل مالیات کا اصل سرچشمہ مودودی صاحب کی ذات ہے اور ایسے اہم موقع پر جماعتوں کی تشکیل کرا دیا کرتے تھے۔ پھر سادگی سے کہتے ہیں۔ سرکاری افسران دے جاتے ہیں جو سرکار کا ملازم ہونے کی وجہ سے نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ ایسے چندوں کی رسیدیں نہیں کٹتی تھیں۔ اسی زمانے میں الزام لگایا گیا کہ مودودی صاحب امریکہ سے ایڈ لیتے ہیں۔ جماعت کے حلقوں میں چند صالحین نے یہ سرگوشیاں بھی کیں۔"

(ب) "میں جب جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا تو امریکی امداد کے متعلق جماعت کے کارکنوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو چکے تھے لیکن اصل راز مشرق وسطیٰ کے سفر کے دوران کھلا۔ قصہ یہ ہے کہ سعودی عرب کے شاہ سعود نے ایک تنظیم قائم کی تھی۔ جس کا بظاہر مقصد تبلیغ اسلام تھا لیکن پس منظر میں متحدہ عرب جمہوریہ کے صدر ناصر کے خلاف پروپیگنڈا کرنا تھا۔ کیونکہ صوت العرب کے ذریعہ بادشاہوں کے خلاف مسلسل پروپیگنڈا ہوتا تھا۔ اس تنظیم کا اصل کام "اخوان المسلمون" نے انجام دیا جو مصر سے نکلنے کے بعد سعودی عرب میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمام مسلمان ملکوں سے اپنے ذہن کے افراد کو چن کر اکٹھا کیا۔ جن کا کام صدر ناصر مرحوم کے خلاف پروپیگنڈا کرنا تھا۔ پاکستان سے جن کو رکن بنایا گیا وہ مودودی اور ظفر احمد انصاری تھے۔"

(ج) "ظفر احمد انصاری وہی "بزرگ" ہیں جو اسلامک سنٹر جنیوا میں رہے اور جنہوں نے یہ بیان دیا تھا کہ صدر ناصر یہودیوں کے ایجنٹ ہیں اور شاہ فاروق کا تختہ امریکہ نے الٹایا ہے۔ تنظیم کا نام رابطہ عالم اسلامی تھا۔ اس کا ظاہری بجٹ ۳ کروڑ ریال تھا لیکن یہ ظاہری تھا اور وقتاً فوقتاً "حکومت بے پناہ رقم اس تنظیم کے ذریعہ خرچ کرتی ہے۔"

(د) "لندن میں پاکستان کے چند طالب علموں کو برآمد کیا گیا۔ وہاں کارروائی شروع کی۔ تنظیم کی بنیاد ڈالی جس کا نام "اسلامک مشن" رکھا گیا۔ مودودی صاحب نے رابطہ سے کہا کہ یہ مشن یورپ میں کام کرے گا۔ رابطہ نے اسے امداد دی چنانچہ سعودی عرب کے شاہ فیصل جب لندن گئے تو اسی اسلامک مشن نے ان کو ایک عظیم الشان استقبالیہ دیا جس پر بے دریغ روپیہ خرچ آیا اور شاہ فیصل کو یہ تاثر دیا کہ یہ تنظیم بڑی مؤثر ہے۔"

(ہ) "رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں جانے کے بعد مختلف ممالک کے شاہ پرست اور ناصر دشمن عناصر سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔ اس میں ایک وزیر خزانہ مقرر کیا گیا۔ یہ چوہدری غلام محمد مرحوم تھے جو اکثر و بیشتر سال میں سے نو ماہ دورہ کر کے اور مالیات اکٹھا کر کے گزارتے تھے۔ چنانچہ کویت کے ذرائع سے اور ابو ظہبی کا کافی سرمایہ اور سعودی عرب سے بھی بہت سا روپیہ اکٹھا کیا۔ جنیوا کے اسلامک

مشن (سنٹر) میں مودودی صاحب نے اپنا خاص رفیق ظفر احمد انصاری کو مقرر کیا جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جماعت اسلامی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ کہ پرانا مسلم لیگی ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ظفر احمد انصاری کو جماعت اسلامی کے خزانہ سے پانچ سو روپیہ ماہوار عرصہ دراز تک تنخواہ ملتی رہی اور اس کی تردید مودودی صاحب بھی نہیں کر سکتے۔ یہی کیفیت ترکی، کویت، لندن، جدہ، جنیوا میں ہے۔ ان سب ملکوں میں مختلف ناموں سے مودودی صاحب کے فنڈز موجود ہیں۔ اور اس کو آپ امریکی امداد کہہ سکتے ہیں یہی امداد تھی جس پر جماعت نے انتخاب لڑے۔ بیرونی ممالک میں جماعت کے لٹریچر کی خرید، پراسرار طریقے سے ہوتی رہی۔ بعض ملکوں میں رائلٹی کے حساب سے بے پناہ روپیہ دیا گیا جو ظاہر ہے بیرونی ممالک میں جمع ہے۔ حالانکہ مودودی صاحب کی چند کتابیں اردو میں ضرور ہیں لیکن عربی میں ترجمہ ان کے سیکرٹری محمد عاصم المرادت نے کیا تھا لیکن مودودی صاحب نے اس پر اپنا نام لکھ کر یہ تاثر دینا چاہا کہ وہ عربی کے عالم ہیں۔"

(روزنامہ مساوات لاہور۔ اتوار۔ مؤرخہ ۲۱ فروری ۱۹۷۱ء کالم ۴ تا ۵)

لمحۂ فکریہ

بالآخر ایک بات قابل غور ہے اور وہ یہ کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، مولانا ظفر احمد صاحب انصاری اور جماعت اسلامی اور جمعیت العلماء کی اسلامیت کا سارا بھرم کھل جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی طرح یہ لوگ بھی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب جیسے مرد مجاہد کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں سوال یہ ہے کہ اگر عالمی استعمار کے ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے مودودیوں اور یہودیوں میں کوئی خفیہ اشتراک نہیں ہے اور ان کے مقاصد ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہیں تو یہ دونوں ہی چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ اور گالیاں کیوں دیتے ہیں؟

مولانا حسرت موہانی کا قول ہے کہ:۔

"مسلمان قومی خدمات کی سزا دے سکتے ہیں۔ جزا اللہ کے پاس ہے"

(مستقبل۔ ۷ دسمبر ۱۹۴۲ء ص ۴)

ان حالات میں مودودی طائفہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کی شاندار ملی اور اسلامی خدمات کی سزا نہ دے تو اور کیا کرے۔ حضرت چوہدری صاحب "مجرم" ضرور ہیں مگر ان کا جرم" علامہ تاجور مرحوم کے الفاظ میں صرف یہ ہے:۔

"ظفر اللہ خان مسلمانوں کے حقوق کو غصب ہوتا نہیں دیکھ سکتے"

(ماہنامہ شاہکار۔ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۶۹۔۷۰)

پبلشر: ابوالعطاء جالندھری۔ پرنٹر: سید عبدالحئی۔ مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

شیزان
گھر بھر کی خوشی
اور صحت کا
ضامن ہے
Peach Jam
HOT KETCHUP
شیزان
انٹرنیشنل لمیٹڈ
بند روڈ لاہور

Monthly AL-FURQAN Rabwah

MARCH-APRIL 1976 Regd. No. L 5708

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا ۔